اقبال اکیڈمی
IQBAL ACADEMY

جشن اقبال

۲۰۱۰ - ۲۰۱۱ء ایکسو سال کی تکمیل پر یادگار تقاریب

اقبال کا پہلا سفر حیدر آباد ۱۹۱۰ء

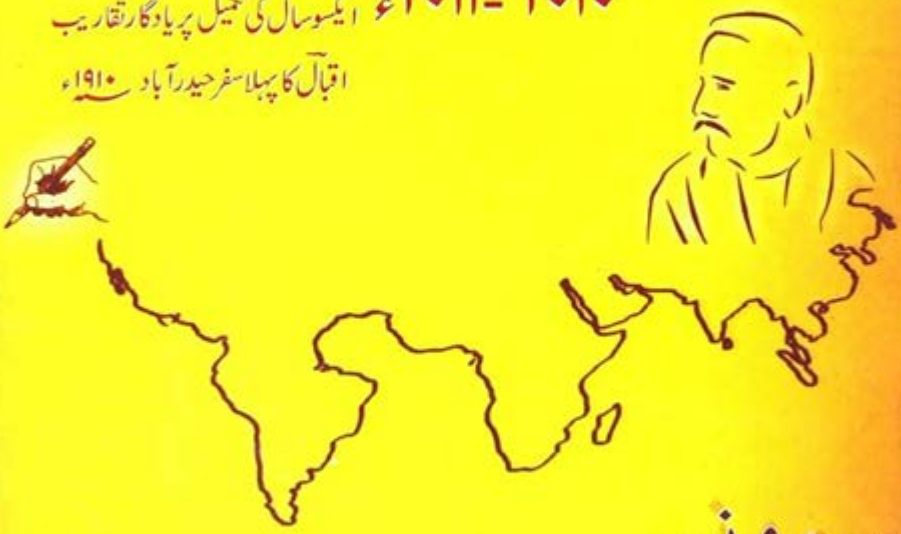

سوونیر

اقبال ریویو

نومبر ۲۰۱۰

ISBN No: 81-86370-31-5

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
وہ رفعت شانِ رفعنالك ذكرك دیکھے

(اقبال)

With best compliments from:

SARO RUBBER & ALLIED PRODUCTS LTD.,

Manufacture: Soles & Insoles for the most fashionable footwear

Regd. Office & Factory : 19-2-217/2, Mir Alam Tank Road,
BAHADURPURA, HYDERABAD - 500036 (A.P.) INDIA.
Tel.: 0091-40-24465253, 24462655, Fax: 0091-40-24465254.

AND

SARO POWER & INFRASTRUCTURES LTD.

Plant : Plot 855 (83 Km Stone, Mahaboobnagar - Raichur Road)
Guddeballur - 509 352, Maganoor Mandal, Mahaboobnagar Dist., (A.P.)
Tel. : 0091-8503-286160.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقبال اکیڈیمی حیدرآباد کا شش ماہی ترجمان

(نومبر ۲۰۱۰ء)

برائے تبصرہ

اقبال ریویو

جشنِ اقبال نمبر

جلد (۲۰) شمارہ (۲)

ISBN No: 81-86370-31-5

مجلس مشاورت

۱۔ جناب محمد ظہیر الدین احمد
(صدر اقبال اکیڈیمی حیدرآباد)

۲۔ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی (لاہور)

مجلس ادارت

۱۔ جناب محمد ضیاء الدین نیر
(نائب صدر اکیڈیمی)

۲۔ سید امتیاز الدین
(معتمد اکیڈیمی و ایڈیٹر)

بدل اشتراک

فی شمارہ ۵۰ روپے
ایک سال کے لیے (دو شمارے) ۹۰ روپے
بیرون ملک: فی شمارہ ۵ ڈالر یا متبادل رقم

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ :

اقبال اکیڈیمی، گلشن خلیل: 10-5-7/1 تالاب ماں صاحب ۔ حیدرآباد ۔ 500028

آندھرا پردیش (انڈیا) ۔ فون: 66663950

e-mail: ihfiqbal@hotmail.com

کمپیوٹر کمپوزنگ : محمد کلیم محی الدین، افضال الحق ندوی ''شارپ کمپیوٹرز'' H.NO.16-8-907/A،

نیو ملک پیٹ، قریب ریلوے اسٹیشن، حیدرآباد 500024 ۔ فون: 9392427796

سید امتیاز الدین ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر نے وی جی پرنٹر دلسکھ نگر حیدرآباد سے طبع کروا کر اقبال اکیڈیمی حیدرآباد سے شائع کیا۔

لا الٰہ الا اللہ

خودی کا سرنہاں لاالٰہ الااللہ
خودی ہے تیغ فساں لاالٰہ الااللہ
یہ دوراپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لاالٰہ الااللہ
کیاہے تونے متاعِ غرور کاسودا
فریبِ سود زیاں لا الٰہ الااللہ
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ وپیوند
بتانِ وہم و گماں، لاالٰہ الااللہ
خردہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں، نہ مکاں لاالٰہ الااللہ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہارہوکہ خزاں لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

(اقبالؔ)

جشن اقبال تقاریب

منعقدہ ڈسمبر ۲۰۱۰ء زیر اہتمام اقبال اکیڈیمی حیدرآباد

بہ تعاون: مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسٹی، حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی

مجلس استقبالیہ

جناب محمد ضیاء الدین نیر (کنوینر)
جناب سید امتیاز الدین
ڈاکٹر محمد فخر الدین
جناب میر ایوب علی خان
جناب سید ذاکر حسین
جناب اعجاز احمد خان
ڈاکٹر یوسف اعظمی
ڈاکٹر مجید بیدار
جناب ولی الدین سکندر
جناب عبداللطیف عاطر
جناب جواد حقانی
ڈاکٹر ایم صفی اللہ
جناب محمود قادری
جناب عبدالخالق
جناب رفیق عباسی

اقبال سمینار

بمقام مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

22nd & 23rd December,2010

پہلا اجلاس:

22 دسمبر بروز چہارشنبہ۔ 10 بجے صبح تا 11:30

موضوع:

''ہندوستان میں اقبالیات کا ارتقاء''

صدارت: ڈاکٹر عبدالصمد صمدانی

(صدر اقبال اکیڈیمی کیرالا)

مقالہ نگار:

ڈاکٹر منظر حسین

صدر شعبہ اردو رانچی یونیورسٹی

بعنوان:

''اقبال کی شاعری میں ہندوستان کی عظیم شخصیتیں''

ڈاکٹر عطاء اللہ خان سنجری (کالی کٹ)

بعنوان: اقبال اور سوامی ویویکانند

جناب علیم صبا نویدی (ٹاملناڈو)

بعنوان: ''شکوہ جواب شکوہ ٹاملی ترجمہ کا جائزہ''

وقفہ برائے چائے

کنوینر ڈاکٹر یوسف اعظمی

دوسرا اجلاس:

22 دسمبر بروز چہارشنبہ 12 بجے دن

موضوع: ہندوستانی زبانوں میں اقبال

صدارت: پروفیسر بیگ احساس

صدر شعبہ اردو حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی

مقالہ نگار:

ڈاکٹر عبدالغفور (کیرالا)

بعنوان: ''اقبالیات کیرالا میں''

''اداروں کے حوالہ سے)

جناب کے پی شمس الدین (کیرالا)

بعنوان: ''ملیالم میں اقبالیات''

(کتابوں کے حوالے سے)

پروفیسر مظفر شہ میری

شعبہ اردو حیدرآباد یونیورسٹی

بعنوان:

''تامل میں اقبال کے ترجمے اور ان کی مقبولیت''

جناب محمد عبدالرحمٰن

''تمگوزبان میں اقبالیات کا جائزہ''

کنوینر ڈاکٹر نسیم الدین فریس

تیسرا اجلاس:

22 دسمبر بروز چہارشنبہ

2:30 بجے دن تا 4:30 بجے

موضوع: اقبال اور حیدرآباد

صدارت:
ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد شکیب (لندن)
مقالہ نگار:
ڈاکٹر مجید بیدار صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ
بعنوان: اقبال اور شاد''
ڈاکٹر خالد سعید
صدر شعبہ اردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
بعنوان: ''گورستان شاہی''
پروفیسر سید اخلاق حسین اثر (بھوپال)
بعنوان: اقبال اور معہ حیدرآبادی
پروفیسر فاطمہ پروین بعنوان ''اقبال اور صغری ہمایوں مرزا
کنوینر: جناب میر ایوب علی خان

چوتھا اجلاس:

23 دسمبر بروز جمعرات
10 بجے صبح تا 11:30 بجے
موضوع: اقبال کا عالمی منظر نامہ
صدارت: ڈاکٹر ظفر محمود (آئی آر ایس)
Dr Cihan ozdemir
مقالہ نگار: جہاں ترکی
ڈاکٹر علی رضا قنصوے (ایران)
ڈاکٹر جہاں آرا بیگم (میسور)
بعنوان: کلام اقبال کا قرآنی اسلوب
مضطر مجاز
بعنوان: جاوید نامہ دیوائن کامیڈی کے تناظر میں

پانچواں اجلاس: 23 دسمبر بروز جمعرات

12 بجے دن تا 2:00 بجے
موضوع: دور حاضر میں اقبال کی معنویت
صدارت: ڈاکٹر انور معظم
سابق صدر شعبہ اسلامیات جامعہ عثمانیہ
مقالہ نگار:
ڈاکٹر محمد آصف
(جواہر لال یونیورسٹی دہلی)
ڈاکٹر محمد عبدالباری (دہلی)
ڈاکٹر یوسف اعظمی (حیدرآباد)
ڈاکٹر عبدالستار دلوی (ممبئی)
ڈاکٹر اوصاف احمد (دہلی)
کنوینر: ڈاکٹر مجید بیدار

اختتامی اجلاس

صدارت: جناب ظہیر الدین صاحب' صدر اقبال اکیڈیمی

اظہار خیال

ڈاکٹر ظفر محمود
ڈاکٹر محمد ضیاء الدین شکیب
پروفیسر انور معظم
ڈاکٹر یوسف اعظمی
پرفیسر بیگ احساس
کنوینر: محمد ضیاء الدین نیر، نائب صدر اقبال اکیڈیمی

فہرست

مجلس استقبالیہ		4
ادارہ		10
لازوال آواز	ڈاکٹر یوسف اعظمی	11
حکیم الامت حضرت اقبال	جناب سید خلیل اللہ حسینیؒ	13
کلام اقبال سے منتخب اشعار	ادارہ	15
دور حاضر میں اقبال کی معنویت	ڈاکٹر اوصاف احمد	19
اقبال ایک مطالعہ	پروفیسر اسلوب احمد انصاری	25
علامہ اقبال کی شاعری میں ہندوستان کی عظیم شخصیتیں	ڈاکٹر منظر حسین	34
جناب سید خلیل اللہ حسینی مرحوم ۔اقبال کے پیام حرکت وعمل کا مجسم پیکر	جناب عبدالرحیم قریشی	44
حیات عالم بہ یک نظر	ادارہ	48
عالم کا خط اقبال کے نام	ڈاکٹر عالم خوندمیری	50
پروفیسر سید سراج الدین	ادارہ	56
پیکر جہد وعمل ۔محمد ظہیر الدین صدر اقبال اکیڈیمی	جناب شاہد حسین	57
حیدرآباد میں اقبال پر مطبوعات	ادارہ	61
حیدرآباد میں پہلا یوم اقبال	جناب نظر حیدرآبادی	66
حیدرآباد میں اقبال کا جلسہ تعزیت	ادارہ	72
اقبال اکیڈیمی کا منظر وپس منظر	ادارہ	75

انگلش سیکشن

☆☆☆

قطعہ

سرود رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگار این فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

اقبال رح

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے

ادارہ

اقبال ریویو کا یہ شمارہ ایک مہینے سے زیادہ کی تاخیر کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے' ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا۔ در اصل اکیڈیمی کے جملہ اراکین جشن اقبال کی تیاریوں میں مصروف رہے۔ لاہور اور بھوپال کے بعد اقبال کا ریاست حیدرآباد سے گہرا تعلق رہا ہے۔ اہل حیدرآباد نے بھی اقبال کی شخصیت اور ان کے کلام کی دل سے قدر کی۔ بانگ درا سب سے پہلے حیدرآباد سے شائع ہوئی۔ اقبال کی حیات میں پہلا یوم اقبال اسی شہر میں منایا گیا۔ بہادر یار جنگ علیہ الرحمہ کو اقبال سے جو بے پناہ عقیدت تھی اس سے کون واقف نہیں۔ بہادر یار جنگ کی دیوڑھی پر محفل اقبال شناسی منعقد ہوتی تھی جس میں نامور اقبال شناس جیسے ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر یوسف حسین خان' غلام دستگیر رشید وغیرہ شریک ہوتے تھے۔ اقبال پر عمدہ کتابوں کے مولفین پروفیسر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی' ڈاکٹر یوسف حسین خان اور پروفیسر عزیز احمد کا تعلق بھی حیدرآباد سے رہا ہے۔ حیدرآباد کی اقبال اکیڈیمی نصف صدی سے زائد عرصے سے اقبال کے کلام سے نئی نسل کو روشناس کرانے کی خدمت انجام دے رہی ہے۔ حیدرآباد کی مسجد عالیہ میں محفل اقبال شناسی کا ہفتہ واری سلسلہ بھی دس برس سے جاری ہے۔

اقبال سب سے پہلے ۱۹۱۰ء میں حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ اس یادگار واقعہ کو سو برس بیت چکے ہیں۔ اقبال اکیڈیمی کے اراکین نے مناسب سمجھا کہ اس واقعہ کی یاد میں جشنِ اقبال منایا جائے۔ چنانچہ ۲۱/۲۲/۲۳ دسمبر ۲۰۱۰ء کو یہ تقریب بڑے پیمانے پر منائی جارہی ہے۔ اس میں ملک اور بیرون ملک کے مشہور و ممتاز دانشوروں اور اقبال شناسوں کی شرکت متوقع ہے۔

اس وقت آپ کے ہاتھوں میں اقبال ریویو کا جشن اقبال نمبر ہے جو اس یادگار موقع کی مختصر سی دستاویز ہے۔

یہ شمارہ اردو اور انگریزی میں شائع کیا جارہا ہے۔ ہم نے اس شمارے میں اقبال اکیڈیمی کے چاروں صدور محترم سید خلیل اللہ حسینی، پروفیسر عالم خوندمیری، پروفیسر سید سراج الدین اور محترم محمد ظہیر الدین (موجود صدر) کے سوانحی خاکے شامل کئے ہیں۔ اقبال اکیڈیمی کا مختصر تعارفی خاکہ خلیل اللہ حسینی صاحب اور عالم خوندمیری صاحب مرحومین کے مضامین اس میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر یوسف اعظمی کا منظوم خراج عقیدت بھی اس رسالے میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر اسلوب احمد انصاری کا مضمون اقبال ایک مطالعہ اور ڈاکٹر منظر حسین کا مضمون علامہ اقبال کی شاعری میں ہندوستان کی عظیم شخصیتیں بھی اس رسالے کی زینت ہیں۔

ڈاکٹر اوصاف احمد نے ازراہِ عنایت اپنا مضمون جو وہ اس جشن کے سمینار میں پڑھیں گے عطا کیا ہے۔ انشاءاللہ اس جشن میں پڑھے جانے والے دیگر مضامین اقبال ریویو کے اگلے شمارے میں شامل کئے جائیں گے۔ اس شمارے کے انگریزی سکشن میں سمینار کے شرکاء کا سوانحی تعارف، اقبال کی وفات پر اہم تعزیتی پیامات، انامیری شمل، جگن ناتھ آزاد اور کے ایس غلام علی کے مضامین شامل ہیں۔

اقبال ریویو کے قارئین سے ہماری درخواست ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائیں۔ عجلت اور مختلف کاموں کی مصروفیات کے سبب، ہوسکتا ہے کہ کہیں کچھ فروگذاشت ہوگئی ہو جس کے لئے اقبال اکیڈیمی آپ سے معذرت خواہ ہے۔

محمد ضیاءالدین نیر نائب صدر اکیڈیمی

سید امتیاز الدین معتمد و ایڈیٹر

یوسف اعظمی

لازوال آواز

(نذر اقبال)

تیری آواز کے رو سے مریم کا مہتاب
پردہ نشیں ہو گیا
زندگی
چادر نور اوڑھے ہوئے سو گئی
اور لہو کی صداؤں کا محبوب جسم
شعر کے پیرہن میں دہکتا ہوا
چاند تاروں کی ہے خواب تہذیب کو
آگہی کا کنارا افق دے گیا
آرزو اور جسم کے درمیان
ایک سائے کا بہتا ہوا شہر ہے
اپنی اپنی جبینوں کی تحریر میں
چیختی ہے خودی
دھندلی پرچھائیوں کے کسی شہر میں
تیری آواز شعلے سے سورج بنی
تیرے افکار کی بیکراں روشنی
دل کی بنجر زمیں کا مقدر بنی
ابر نیساں کا گہرا سمندر بنی

☆☆☆

قطعہ

رہ و رسمِ حرم نا محرمانہ
کلیسا کی ادا سوداگرانہ
تبرک ہے مرا پیراہنِ چاک
نہیں اہلِ جنوں کا یہ زمانہ

اقبال

سید خلیل اللہ حسینی صدر اقبال اکیڈیمی

حکیم الامت حضرت اقبال

گیسوئے اردو منت پذیر شانہ تھا، میر کی آہ دردناک دنیا نے سنی تھی۔ سودا کی شاعری کی واہ واہ سے باخبر تھی۔ لیکن اقبال کی شاعری دلیل راہ بن کر سامنے آئی۔ اُردو شعر و ادب گل کی لچکتی شاخ کی طرح نازک، پھول کی پتی کی طرح رنگین، ساغرِ مئے سے زیادہ نشہ آور اور مینائے صہبا کی طرح محروم مئے حقیقت رہا۔ یہ حکیم الامت حضرتِ اقبال کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے نزاکتِ شعر و ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی اس کو فولاد کی صلاحیت عطا کی۔ رنگینیِ ادب کا احترام کرتے ہوئے بھی اس کو خونِ دل کی سرخی اس طرح بخشی کہ ادب صرف ساز کا ہم نوا نہیں بلکہ سراپا سوز بن گیا۔ ان کے ساغرِ شعر میں مئے تیز جھلکتی تو ضرور ہے لیکن اس میں کسی عشوہ و غمزہ کی کیفیات نہیں بلکہ وہ مئے توحید ہے جس کے میخانے تین سو سال سے بند تھے اور اقبال نے دیرِ میکدہ پر اس طرح نغمہ خوانی کی کہ بند کواڑ کھل گئے۔ زبانِ اردو اپنی تہی دامنی کے لیے مرثیہ کناں نہیں رہی بلکہ قلقلِ مینا نے اس حقیقت کا اعلان کیا کہ اب اس کا دامن گلہائے معنی سے لبریز ہے۔ ان کی بانگِ درا نے سوئے ہوئے قافلے کو بیدار کیا۔ بالِ جبریل نے طاقت پرواز عطا کی۔ ضربِ کلیم نے استعماریت کو پاش پاش کیا۔ یوں تو اقبال نے بادہ و ساغر کی اصطلاحات ہی میں گفتگو کی۔ لیکن اپنی شاعری کے مقصد کے بارے میں کہا۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

انہوں نے جمود و خمود و غفلت کے خلاف شدید ردِ عمل کا اظہار کیا اور ان کی شاعری مردہ رگوں میں جمی ہوئی جمود کی یخی کو دور کرتی، مٹی کا ڈھیر بنے ہوئے عزائم کو رفعتِ ہمالہ کا درس سکھاتی، سونے والوں کو جگاتی، جاگنے والوں کو چلاتی، چلنے والوں کو دوڑاتی اور دوڑنے والوں کو منزل آشنا کراتی ہے۔ اقبال نقیب انسانیت تھے۔ ان کا شدید احساس تھا کہ وہ انسان جس کو قدرت نے اپنا شہکار بنایا، نہ اپنے مقام سے واقف ہے نہ اس کو مقام عظمت ملا ہے، وہ استعماری و چیرہ دستی کا شکار ہے۔ وہی ظالم اور استحصال پسند لوگ موجود ہیں جو انسانوں کو اقوام میں بانٹ کر انسان کی تباہی کا موجب ہوتے ہیں۔ جس وقت حبش پر مسولینی کی فوج حملہ آور ہوئی تو انہوں نے کہا ۔

تہذیب کا کمال ، شرافت کا ہے زوال

ہر گرگ کو ہے ، برّۂ معصوم کی تلاش
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
اے وائے آبروئے کلیسا کا آئینہ
رومانے کر دیا سر بازار پاش پاش
پیرِ کلیسا یہ حقیقت ہے دل خراش

اقبالؔ نے ایک ایسی سوسائٹی کا خواب دیکھا تھا جس میں ہر انسان کو اس کی مخفی صلاحیتوں کی نشو ونما کے مواقع حاصل ہوں۔ افراد اپنے تہذیبی سرمائے کی قابل فخر قدروں کو لے کر آگے بڑھیں۔ نقالی اور وابستہ درگاہ غیر کے طریقے کو ترک کریں، انسان کو ذہنی اور قلبی آزادی حاصل ہو اور انسان اعلیٰ مقاصد کے حصول کی کشمکش کرتا ہوا زندہ رہے۔ اقبالؔ کے کلام کا حاصل عظمت انسانیت ہے، ان پر فرقہ پرستی کا لیبل لگانا صریحاً زیادتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصل تہذیب احترامِ آدم است

☆☆☆

کلام اقبال سے

منتخب اشعار

اقبال نے غزل کے روایتی Context میں ایک بنیادی تبدیلی کی طرح ڈال کر اس میں ایک نئی جہت کا آغاز کیا اور لب ولہجہ کو ایک نئے ذوق سے آشنا کیا جو بغایت غور وتامل کا مستحق اور سزاوار ہے۔ غزل کی برسوں کی رہ ورسم عاشقی، اس کی تہذیب وثقافت میں یہ ایک نئی آواز سنائی پڑتی ہے۔ بال جبریل کی غزلوں سے یہ منتخب اور چیدہ چیدہ اشعار بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور اس امر کا ثبوت کہ ان کا کہنے والا عشق ومحبت کے ایک نئے سُر سے آشنا اور اسے پیش کرنے پر کمال قدرت رکھتا ہے۔

گرچہ ہے میری جستجو دیروحرم کی نقشبند
میری فغاں سے رستخیز کعبہ وسومنات میں

.....☆.....

تو ہے محیط بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر

.....☆.....

اے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر
مجھے معلوم کیا وہ راز داں تیرا ہے یا میرا

.....☆.....

کس کی نمود کے لئے شام وسحر ہے گرم سیر
شانۂ روزگار پر بارِ گراں ہے تو کہ میں

.....☆.....

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

.....☆.....

متاعِ بے بہا ہے درد وسوز آرزو مندی
متاعِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خدا وندی

.....☆.....

اگر ہنگامۂ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی
خطا کس کی ہے یا رب لامکاں تیرا ہے یا میرا

.....☆.....

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش وخرد شکار کر قلب و نظر شکار کر

.....☆.....

باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

.....☆.....

کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینے میں غمِ منزل نہ بن جائے

.....☆.....

مرے ہم سفر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے
انہیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

.....☆.....

کارواں تھک کر فضا کے پیچ وخم میں رہ گیا
مہر وماہ ومشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں

.....☆.....

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

.....☆.....

کیا صوفی وملا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

.....☆.....

تیرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں
ڈھوند چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

.....☆.....

ایک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

.....☆.....

خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے

.....☆.....

توڑ ڈالے گی یہی خاک طلسمِ شب وروز
گرچہ الجھن ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے

.....☆.....

ایک سرمستی وحیرت ہے سراپا تاریک
ایک سرمستی وحیرت ہے تمام آگاہی

.....☆.....

ضربِ کلیم

تو ضمیر آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بیقرار کرتا تجھے غمزۂ ستارہ

.....☆.....

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

.....☆.....

ایسا جنوں بھی دیکھا ہے میں نے
جس نے سیئے ہیں تقدیر کے چاک

.....☆.....

تیری متاع حیات علم وہنر کا سرور
میری متاع حیات ایک دل ناصبور

.....☆.....

ترے دشت ودر میں مجھے وہ جنوں نظر نہ آیا
کہ سکھا سکے خرد کو رہ و رسم کارسازی

(ادارہ)

.....☆☆☆.....

اوصاف احمد

دورحاضر میں اقبال کی معنویت

ایک ہندوستانی تناظر

(23 دسمبر کو اقبال اکیڈیمی حیدرآباد کے منعقد کردہ بین الاقوامی اقبال سمینار میں پڑھا گیا۔)

میر۔ غالب اور اقبال اردو زبان کے تین بڑے شاعر کہے جاتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ تین صدیوں نے اردو کو تین بڑے شاعر دیئے۔ اٹھارویں صدی نے میر، انیسویں صدی نے غالب، اور بیسویں صدی نے اقبال! آج جب کہ حیدرآباد، اقبال کی آمد حیدرآباد کا صد سالہ جشن منا رہا ہے اور اکیسویں صدی کی پہلی دہائی تمام ہونے کو ہے۔ اقبال کی وفات کو بھی 75 برس اگلے سال پورے ہو جائیں گے۔ شاید یہ سوال اٹھانا نامناسب اور بے معنی نہیں ہے کہ دور حاضر میں اقبال کی معنویت کیا ہے۔ اس سوال کے کئی جواب مختلف نقطہ ہائے نظر سے ممکن ہیں۔ لیکن شاید ان میں سب سے اہم سوال اور جواب ہندوستانی نقطہ نظر سے ہے۔ کہ بدلتے ہوئے ہندوستان میں ایک بدلے ہوئے پس منظر میں، اقبال کی معنویت کیا ہے اور آئندہ کیا ہوگی۔

ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ کسی شاعر، ادیب، فلسفی، یا کسی بھی شخص کی اصلی حیثیت کا اندازہ اُس کی وفات کے بعد ہی ہوتا ہے۔ میں اردو کے کئی شاعروں کو جانتا ہوں جن کے نام لینے کی ضرورت نہیں۔ اپنی زندگی میں بڑی دھوم دھام کے شاعر تھے۔ ان کے ناموں پر لاکھوں کی بھیڑ اکٹھا ہو جاتی تھی۔ مشاعرہ پڑھنے کھڑے ہوتے تو ایک ایک مصرعہ پر چھتیں اڑ جائیں۔ ابھی ان مرحومین کے انتقال کو نصف صدی بھی ہونے کو نہیں آئی کہ آج ان کا کوئی نام لیوا بھی نہیں۔

دوسری طرف اس گئی گذری حالت میں بھی کلام اقبال کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ اقبال کی وفات کے 75 سال بعد ضیاء الدین نیر اسکول کے طلباء کی بیت بازی کا مقابلہ کرواتے ہیں تو اسکولوں کی لائن لگ جاتی ہے۔ اقبال کے کلام پر بیت بازی اس شرط کے ساتھ منعقد ہوتی ہے کہ صرف اقبال کے اشعار پڑھے جائیں تو یہ پروگرام بھی کامیابی کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔ سچ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اقبال اردو کے شاعر تھے۔ اور فن شاعری کو انہوں نے جس طرح زمین کی گہرائیوں سے اٹھا کر آسمانی رفعتوں کا ہمراز بنا دیا۔ اس میں ان کی تخلیقیت کا بڑا حصہ تھا۔ جس طرح پاکستان نے اقبال پر قبضہ جما لیا ہے۔ ہندوستان کی حد تک ایک مسلم جماعت نے اقبال کی شاعری کے جملہ حقوق اپنے لئے وقف کر لئے ہیں۔ اسی کے ایک ادارہ نے اقبال کی کلیات بڑے اہتمام سے شائع کی ہے۔ کلیات کا آخری سرورق پر پبلیشر کی طرف سے اعتراضات کئے گئے ہیں۔

ان کے کلام میں شاعرانہ تخیلات وتصورات کی کمی نہیں، نادر تشبیہات، نادر استعارے، دلکش اسالیب بیان کے نمونے ان کے کلام میں کثرت سے ملتے ہیں جو ادب وشاعری کی دنیا کی بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ علامہ کے کلام کا وقار کہیں مجروح ہوتا نظر نہیں آتا۔ یہ ان کی شاعری کی ایک نمایاں خوبی ہے۔ (کلیات۔ سرورق)

جناب مبصر نے جس خصوصیت کا تذکرہ بغیر نام لئے کیا ہے وہ اقبال کی خلاقیت ہے۔ وہ جس مسئلہ پر بھی اظہار خیال کرتے ہیں اس کو اپنی تخلیقی فکر سے زمین سے اٹھا کر آسماں کی چیز بنا دیتے ہیں۔ مثلاً ضرب کلیم میں ایک مختصری نظم ہے۔ تقدیر جس میں تقدیر کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کیا ہے کہ انسان کا اپنا عمل ہی اس کی تقدیر ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نا اہل کو حاصل ہے بھی قوت وجبروت ہے خوار زمانے میں کبھی جوہر ذاتی
شائد کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں تقدیر نہیں تابع منطق نظر آتی
ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو تاریخ امم جس کو نہیں ہم سے چھپاتی
ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی بُراں صنعت تیغ رو پیکر نظر اس کی

اقبال کا ڈکشن، اس کا لفظیات، اس کی نقش گری، وصورت طرازی، اس کے فن کی خلاقیت، اس کی رجائیت ہمیں یہ یقین دلاتے ہیں کہ دہر میں جب تک اردو زبان رہے گی اقبال کی معنویت قائم ودائم رہے گی۔

جہاں تک ہندوستان میں اقبال کی معنویت کا سوال ہے شائد اب یہ صرف کہنے کی بلکہ باآواز بلند کہنے کی ضرورت ہے کہ اقبال اول ایک ہندوستانی تھے۔ آخر ایک ہندوستانی تھے، وہ ہندوستان میں پیدا ہوئے، ہندوستان میں مرے، آخر کو پاکستان کی تشکیل 1947 میں ہوئی تھی نہ کہ 1938 میں۔ ہندوسان کی محبت اقبال کے ابتدائی کلام میں ہی نہیں آخری کلام میں بھی چھلکی پڑتی ہے۔ بانگ درا کا حصہ اول جو 1905 تک کے کلام پر مشتمل ہے اور جس کو بعض ناقدین نے ان کی شاعری کا وطنی اور قومی دور قرار دیا ہے۔ ''ہمالہ'' کے بارے میں ایک نظم سے شروع ہوتا ہے۔ شیخ عبد القادر تو اس نظم کی اشاعت کو 1901 میں مخزن کے پہلے شمارے میں شائع ہوئی اقبال کی شاعری کا

آغاز مانتے ہیں۔

''میں نے زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور مخزن کے پہلی جلد کے پہلے نمبر میں جو اپریل 1901 میں نکلا شائع کردی۔ یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پبلک طور پر آغاز ہوا۔ (کلیات اقبال۔ دیباچہ)

بے شک۔ ہمالہ کی طرح اقبال کی یہ نظم آج بھی جوان ہے

اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستاں — چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں — تو جواں ہے گردش شام سحر کے درمیاں
ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لئے — تو تجلی ہے سراپا، چشم بینا کے لئے
اے ہمالہ! داستاں اس وقت کی کوئی سنا — مسکن آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا — داغ جس پر غازۂ رنگ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح وشام تو — دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

اس نظم کا آخری مصرعہ تو روزمرہ کی طرح عوام کے استعمال میں داخل ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب اردو شاعری کی پوری تاریخ میں نہ ہوا ہوگا کہ کسی شاعر کی پہلی نظم کا ہی ایک مصرعہ اس قدر مقبول ہو کہ روزمرہ میں شامل ہوجائے۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اقبال کے وطن دست رجحانات، احساسات میں پختگی آتی گئی۔ ابتداء میں وطن کی مادی علامتوں سے بھی یک گونہ الفت ویگانگت کا اظہار کیا گیا ہے۔

اے آب رود گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو — اترا ترے کنارے جب کاروان ہمارا

چنانچہ تصویر درد میں وہ تلقین کرتے نظر آتے ہیں ۔

رلاتا ہے ترا نظارہ، اے ہندوستان مجھ کو — کہ عبرت خیز ہے ترا فسانہ سب فسانوں میں
دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا — لکھا فلک ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
سن اے غافل! صدا میری یہ ایسی چیز ہے جس کو — وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائرستانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے — تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہورہا ہے ہونے والا ہے — دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں

پیام اقبال کے اس پہلو کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی جانا چاہئے۔ وطن عزیز میں اس وقت جو اسلام مخالف، اور مسلم مخالف ذہن شعوری طور پر بنایا جارہا ہے اس کو اقبال کے کلام سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اقبال اکیڈیمی جیسے

اداروں کو اس طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ کلام اقبال میں اس قدر طاقت اور دلکشی ہے کہ اگر سلیقے اور دانش مندی سے یہ کام کیا جائے تو عجب نہیں کہ فضا میں تبدیلیوں کے آثار جلد ہی نمودار ہو جائیں۔ اور کلام اقبال کے وہ پہلو جو عام نگاہوں سے مخفی رہے ہیں سامنے لانا چاہیں۔

ضرب کلیم، اقبال کا تیسرا اردو مجموعہ ہے۔ اس کی اشاعت کے وقت تک اقبال کی شاعرانہ شخصیت کی تشکیل ہو چکی تھی۔ ان کے نظریات، خیالات طئے ہو چکے تھے اس دور کی ایک مختصر نظم ہے۔ اجتہاد

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے — نہ کہیں لذت کردار نہ افکار عمیق
حلقہ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں — آہ محکومی وتقلید زوال تحقیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں — ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب — کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کی طریق

اس نظم میں ہندوستان کے ساتھ ایک تاسف آمیز یگانگت کا احساس موجود ہے۔ افسوس کہ لذت شوق، لذت کردار اور افکار عمیق کی جو شکایت اقبال نے اپنے زمانہ میں کی تھی وہ آج ہمارے زمانے میں بھی اسی طرح جلوہ گر ہیں۔ اس لئے اس کی معنویت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

میں آپ کے سامنے اقبال کی ایک اور نظم کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جس کا عنوان، شعاع امید ہے۔ اس نظم میں بھی ہندوستان اور اس کی خصوصیات کا ذکر بڑی دردمندی سے کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

اک شوخ کرن شوخ مثال نگہ حور — آرام سے فارغ، صفت جوہر سیماب
بولی کہ مجھے رخصت تنویر عطا ہو — جب تک نہ ہو مشرق کا ہر ایک ذرہ جہاں تاب
چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو — جب تک نہ اٹھیں خواب سے مردان گراں خواب
قارونی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز — اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
چشم مہ وپروین ہے اسی خاک سے روشن — یہ خاک کہ ہے جس کا خزف ریزہ در ناب
اس خاک سے اٹھے ہیں وہ غواص معانی — جن کے لئے ہر بحر پُر آشوب ہے پایاب
جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں — محفل کا وہی ساز ہے بیگانہ مضراب
بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن — تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہ محراب

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ اقبال کو ہندوستان سے اور ہندوستانی مسلمانوں سے بڑی امیدیں تھیں وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ انہیں اس قابل بناتی ہے کہ مشرق اور مغرب سے ہٹ کر ایک درمیانی راہ نکالیں اور انسانی تہذیب کو اس کی معراج تک لے جائیں۔ تاہم اقبال ایک حقیقت پسند بھی تھے، ان کے یہاں جہاں تاریخ کا ادراک وعرفان تھا وہ سنگین حقائق سے بے پرواہ نہیں تھے۔

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو — آئی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداداد
اے مرد خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل — جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
مسکینی وخگوی ونومیدی جاوید — جس کا یہ تصوف ہوں اسلام کر ایجاد
ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت — ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد
(ہندی اسلام ضرب کلیم)

اقبال کو خود اپنے رول کا بھی بخوبی احساس تھا انہیں پتہ تھا کہ وہ اگر ایک طرف سنگین حقائق سے دوچار ہیں تو دوسری طرف ان کا رشتہ آسمانی رفعتوں سے بھی ہے

میں بندۂ آزاد ہوں مگر شکر ہے تیرا — رکھتا ہوں نہاں خانۂ لاہوت سے پیوند
اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو — لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند
لیکن مجھے پیدا کیا اس دیس میں تو نے — جس دیس کے بندے ہیں غلامی پر رضا مند
(شکر وشکایت ضرب کلیم)

موجودہ حالات کی ماہیت تبدیل کرنے کے لئے اقبال نے جو نسخہ تجویز کیا ہے۔ عرفانِ خودی، قوت اور عمل اس کے اہم عناصر ہیں۔ عرفان خودی، تخلیقی فکر سے ہوتا ہے اور وہ خود انسان کو قوت اور عمل کی طرف لے جاتا ہے جن میں حالات کو تبدیل کرنے کی صلاحیت ہے۔ یہی ہمارے عہد میں اقبال کی معنویت ہے۔

فطرت کو خودی کے روبرو کر — تسخیر مقام رنگ وبو کر
تاروں کی فضا ہے بے کرانہ — تو بھی یہ مقام آرزو کر
بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت — جو اس سے ہوسکا وہ تو کر

☆☆☆☆

قطعہ

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہِ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریان و بے تیغ و سناں عشق

اقبالؒ

پروفیسر اسلوب احمد انصاری

اقبال ایک مطالعہ

نادر انکسار میں ڈوبے ہوئے اقبال کے اس Disclaimer

خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے ' شاعری کیا ہے ؟

کے علی الرغم ان کی شعری فطانت اتنی تہہ در تہہ ہے کہ اس تک رسائی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ان کی شاعری کے منابع اور مآخذ تک رسائی حاصل نہ ہو۔ اور در پردہ مولوی حسین احمد مدنی کو ذہن میں رکھتے ہوئے انھوں نے یہ بھی کہا:

قلندر جز دو حرف لاالہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

لفظ' قلندری' میں خود محویت یعنی Self - Effacement کا اشارہ اور وجدان پہ تکیہ کرنے کے طفیل خود آگہی' بلوغیت فکر و نظر اور وہ رویائے حیات و کائنات شامل ہے جو ان کے لیے نقطہ آغاز بھی ہے اور نقطہ انجام بھی یعنی' دو حرف لاالہ'۔ اس شاعری کا براہ راست' غیر منقطع تعلق اور اس کی جڑیں روح قرآن میں بھی پیوست ہیں اور روح عصر سے بھی ہم آہنگ اور گہرا علاقہ رکھتی ہیں۔ موخر الذکر جدید فلسفے اور سائنسی افکار اور طریق کار دونوں کو محیط ہے بعینہ جیسے اول الذکر اسلامی اقدار زندگی اور اسلامی تصوف کے مضمرات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ نوامیس فطرت سے اقبال کا تعلق خاطر اور ان سے وابستگی آغاز کار ہی سے ان کے کلام میں نمایاں ہے اور اس میں فکر و تامل اور استغراق کے عناصر اور اجزا گندھے ہوئے ہیں۔ غنایت' تفکر اور خود آگہی' ان کی شخصیت اور شاعری کے رگ و پے میں پوری طرح سرایت کیے ہوئے ہیں۔ فلسفی سائنسداں اور تخلیقی و ادبی فنکار کی تمامتر مساعی کا مرکز و محور وجود یعنی Being سے سروکار بھی ہے اور حقیقت مطلقہ کے اسرار کی جستجو اور ان کی گرہ کشائی کا داعیہ بھی۔ ان تک پہنچنے کے راستے البتہ مختلف النوع ہیں۔ شاعر اور تخلیقی فن کار کی غائت کی شناسائی کے لیے جو امر کلیدی اور مقدم ہے وہ وقوعات حاسہ اور حقیقت مطلقہ کے درمیان فرق و امتیاز کا تعین کرنا ہے یا یہ کہہ لیجیے کہ اس طریق کار کو ادراک کی گرفت میں لانا جس کی وساطت سے وقوعات کو حقیقت میں منقلب کیا جا سکتا اور کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ خودی عشق فقر اور ایقان باطنی اقبال کے لیے اساسی محرکات اور مسائل ہیں۔ ان

کی شاعری بڑی حد تک' اور یہی اس کی وقعت کی ضمانت کرتی ہے' ہم عصری زندگی کے گوناگوں کوائف اور کارناموں اور اس کے سوز وساز سے بھی اپنی قوت نمو حاصل کرتی ہے۔ اور اس کا سروکار انسان کی سائیکی اور انسانی صورت حال اور مخمصے کے مختلف پہلوؤں سے بھی ہے۔ خدا انسان اور شیطان (جسے وہ ابلیس کہتے ہیں) ان کے روبرو اور ہمہ جہت کائنات میں بنیادی کرداروں کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے متغیر اور متنوع سیاق وسباق یعنی Contexts بھی۔ اعتراضا اور خردہ گیری کی نیت سے یہ کہا گیا ہے کہ یہ تینوں ان کے لیے تسلیم شدہ Datum ہیں۔ لیکن فی الاصل ان کی شاعری میں اس Datum کے عناصر اور اجزائے ترکیبی کو جس طرح عمل تفکر اور تجزیے کا مورد بنایا گیا ہے اس سے کسی قیمت پر صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے ہاں بے پایاں تجسس اور تفتیش یعنی Exploration کی جبلت اپنا اظہار کیے بغیر نہیں رہتی۔ خدا سے شاعر کے تخاطب (خصوصاً فارسی شاعری میں) کے متنوع اطراف جن میں طنز واستہزاء کی خاصی آمیزش راہ پاگئی ہے جبرئیل اور ابلیس کے مابین نوک جھونک اور کائنات خارجی میں انسان کے مرتبے کا تعین ان سب موضوعات پر ان کے ذہن کا انکشاف ان کی جرأت فکر پر دلیل محکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت بھی فراہم کرتا ہے کہ اقبال نے مروجہ تصورات کو من وعن قبول کرنے کے بجائے انہیں اپنی فہم وادراک کی روشنی میں پرکھنے اور ان کے گوناگوں پہلوؤں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے لئے نہ ان کے سامنے شاعری کی روایت میں کوئی نمونہ یا ماڈل موجود تھا اور نہ ان کی مثبت اور انقلابی فکر اور بیان کی طرفگی اور بلاغت کسی مزاحمت کو اپنی راہ میں حائل ہونے دینا چاہتی تھی۔ خدا سے خطاب میں اقبال کے لہجے کی کاٹ اور برش پُر لطف بھی ہے اور لائق التفات بھی، کہ یہ انداز گفتگو کا ایک بالکل نیا پیرایہ ہے۔ براہ راست خطاب کے علاوہ جو جگہ جگہ دستیاب ہے، بالواسطہ طور پر اپنے سیاق وسباق میں بڑی اہمیت کے حامل چار شعر بھی دیکھئے۔

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو

دردشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

مزی اندر جہانِ کور ذوقے
یزداں دارد وشیطان نہ دارد

اور پیام مشرق میں نظم میلاد آدم میں آخری بند بڑی توجہ کا مستحق ہے۔

شدم بہ حضرت یزداں گزشتم از مہ و مہر
کہ در جہانِ تو یک ذرۂ آشنائم نیست
جہاں تہی زدل ومشتِ خاک من ہمہ دل
چمن خوش است ولے درخورِ نوائم نیست
تہمے بہ لب اُو رسید وہیچ نگفت

آخری مصرعے میں ملفوف جذبے کو آپ ایک طرح کی Subtle Apathy یا Polite Disdain کہہ لیجئے۔ یہاں حضرتِ یزداں کی بے چہرگی یعنی Facelessness برطانوی شاعر ولیم کے ہاں Jehovah کی بے چہرگی کے مماثل نظر آتی اور بے اختیار اس کی یاد تازہ کرتی ہے۔ دونوں کے ہاں یزداں اور Jehovah کی ادائے بے نیازی یا در پردہ شقاوت قلبی جو ایک مشترک عنصر ہے نظروں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ اسی طرح ابلیس کے مقابلے میں جبرئیل ایک سادہ لوح شر میں غیر ملوث اور تجربے کی دوئی یعنی Duality سے نا آشنا اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ اقبال کو ایک متحرک کائنات میں ایک فعال اور خود آگاہ انسان کی نوع بہ نوع سرگرمیاں بہت عزیز ہیں۔ انہوں نے خدا اور انسان دونوں کو بہ طور منفرد ایغو مصور کیا ہے۔ انسان ایک محدود اور مرموز ایغو ہے۔ اس کی کائنات بیکرانی کی طرف راجع اور بلندیوں اور رفعتوں کی متلاشی رہی ہے۔ خدا اس کے بالمقابل لامحدود طاقتوں کا حامل اپنی ذات میں مطلق اور بے نیاز ایغو ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اول الذکر سے غیریت، اور موخر الذکر سے عینیت کا تصور مختص اور وابستہ ہے۔ انسان کے لئے اپنی خودی کی پرورش و پرداخت کے دوران ذاتِ مطلق کی صفات پیدا کرنے پر تو بے شک زور دیا گیا ہے کہ وہ آغاز کار اور روزِ آفرینش میں خدا ہی کے سانچے میں ڈھالا گیا تھا۔ لیکن اقبال کو انسان کا اس مطلق ایغو میں حلول اور انضمام کسی طرح بھی مطبوع خاطر نہیں۔ اسے اپنی خودی کی آزادانہ نشوونما پر اصرار ہے۔ اسی طرح انہوں نے عشق اور خرد کے تصورات کو جو ایک Seminal حیثیت رکھتے ہیں۔ نوع بہ نوع انداز سے تجزیے اور تحلیل کا عنوان بنایا۔ انہوں نے انسانی زندگی کے سیاق وسباق میں فرد کی اہمیت اور کارناموں سے صرفِ نظر نہ کرنے کے باوجود اس کی نارسائیوں اور محدودیت کی طرف جا بجا اشارے کئے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ حقیقت کی مادی بنیاد کو کلیتاً مسترد کرتے ہیں۔ حقیقت کا ادراک اور اس کی خاطر خواہ تفہیم عشق اور وجدان کے طریق کار کے وسیلے ہی سے ممکن ہے اور مادی کائنات کے مقتضیات سے ماوراء ہو جانے کے بعد، گو اس روحانیت میں مادیت کی آمیزش کسی نہ کسی حد تک ایک قابل لحاظ عنصر کی حیثیت سے موجود رہتی ہے۔ خرد اور علم کے انداز ے اور تخمینے ہمیں ایک ناتمام اور غیر تسلی بخش تناظر فراہم کرتے ہیں۔ بال جبریل کی ایک

غزل میں اپنے دوگانہ سروکار کی طرف جس سے ایک طرح کا خلجان اور اضطراب پیدا ہونا ناگزیر ہے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز وساز رومی ، کبھی پیچ وتاب رازی

یہاں رومی اور رازی بالترتیب وجدان اور عشق اور اس کے برعکس عقل وخرد کے دو بنیادی استعارے ہیں اور عشق اور خرد کے بظاہر تضاد اور تکون سے جو بے اطمینانی اور ہیجان پیدا ہوتا ہے اس کا اظہار بے محابا انداز میں کیا گیا ہے۔

اقبال کے ہاں تصوف کا مسئلہ بغایت غور وفکر کا مستحق اور اس کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ تصوف کے فی نفسہ مخالف نہیں ہیں کہ یہ بلاشبہ ایک اہم داخلی اور موضوعی تجربہ ہے اور شاعری کے تخلیقی عمل سے اس کا رشتہ گہرا ہے۔ اس کی دوشقوں کے بارے میں اقبال کا ذہن بہت صاف اور روشن ہے یعنی غیر مبہم، اور اس میں کسی طرح کے مغالطے کی گنجائش نہیں ۔تصوف کی بنیاد ایک گہرے، تند وتیز، آنی یعنی Instantaneous غیر منفصل انفرادی تجربے پر ہے جس کی اصلیت اور کھرے پن یعنی Authenticity سے مجال انکار ممکن نہیں ۔لیکن اسے کسی معاشرے کی تنظیم کے لئے اساس کار نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ بھی خاطر نشیں رہے کہ اسلامی ضابطۂ حیات میں معاشرتی اور اجتماعی زندگی کی اہمیت اور وزن کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اقبال تصوف کے تشکیکیون اور سلسلوں کو شک وشبہ کی نظروں سے اس لئے دیکھتے ہیں کہ یہ انسان کو بے عملی، انفعالیت اور دنیاوی زندگی کے پیچ در پیچ مسائل اور ذمہ داریوں سے پہلو تہی کی طرف رغبت دلاتے ہیں ۔ یہ سب ایک طرح سے Self-Renunciatory ہیں اور خودی کی نشو ونما اور پرداخت کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور اس پر منفی انداز سے اثر ڈال کر اس کی منفعت کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ سب گوشہ گیری کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔

سکوں پرستی راہب سے فقر ہے بیزار
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
پسند روح وبدن کی ہے وانمود اس کو
کہ ہے نہایت مومن خودی کی عریانی

اقبال بے عملی کے بجائے عمل پیہم تگاپوئے دمادم اور جہد جسلسل کے پرزور داعی اور علمبردار ہیں۔ اسلام میں رہبانیت، ایذا رسائی خود اور جائز اور فطری خواہشات اور جبلتوں کی تکذیب امتناع اور پامالی کی ہمت افزائی نہیں کی گئی ہے۔ تصوف کے سیاق وسباق میں اتنی فلسفاینہ موشگافیاں کی گئی ہیں اور اتنے فروعی مسائل اس میں در آئے

ہیں کہ اسکی اپنی صورت پہچانی نہیں جاتی ۔ یہ اپنی سرشت سے بمراحل دور چلا گیا ہے اس میں نو افلاطونی ، ایرانی اور ویدانی عناصر جذب ہو جانے کی وجہ سے یہ کچھ کا کچھ ہو گیا ہے ۔ اقبال فی الحقیقت مجازی الاصل تصوف کے قائل ہیں اور اسے اسلام کے مستحکم ، غیر متزلزل اور منضبط اقدار زندگی سے الگ کر کے دیکھنے کا ان کے ہاں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔ ان کے نزدیک یہ کسی طرح بھی جائز اور درست نہیں ہے چنانچہ انہوں نے علی الاعلان کہا بھی ہے ۔

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شان بے نیازی
یہ فقر غیور جس نے پایا
بے تیغ وسناں ہے مرد غازی

یہاں یہ اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فقر کے لئے متبادل لفظ Non Attachment ہے ۔ تصوف کا لب لباب اس کا مغز اور نچوڑ قرآن کریم کی اس آیت میں بری بلاغت اور جامعیت کے ساتھ سمٹ آیا ہے ۔

قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا

فلاح پائی تو اس نے جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور گھاٹے میں رہا وہ جس نے اسے گرد و غبار میں آلودہ کیا ۔

اسی سے متعلق نبی کریم کی اس کی نوعیت کے بارے میں یہ حدیث قدسی بھی قابل تامل ہے ۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فاللہ یراک

یعنی خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو ، اور اگر تم اسے نہ دیکھ پاؤ تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے ۔

پس تصوف کے تشکیلی عناصر یا اجزاء بس دو ہی ہیں یعنی تطہیر یا تزکیۂ نفس اور اخلاص فی العمل ۔ باقی جو کچھ ہے اس کی حقیقت زیادہ تر قیاس یعنی Specualative ہے ۔ یہاں یا اضافہ کرنا غیر ضروری نہ سمجھا جائے کہ تزکیہ کیلئے Adoration جسے آپ اسلامی اصطلاح میں ذکر یعنی Remembering Divinity کہہ لیجئے اور جو براہ راست قبل کی طرف راجع ہے ، ایک لازمی عنصر بھی ہے اور اس کا وسیلہ بھی ۔

جو آیت اس سے پہلے دی گئی اور جو نکات کے ذیل میں آتی ہے اس کے بالمقابل ''مشابہات'' کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ کیجئے ۔

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ

کانها کوکب دری، یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ

یہ ایک استعاراتی بیان ہے۔ یہاں حقیقت کبریٰ یا وجود مطلق کی افہام وتفہیم کے لئے تحدیت کیلئے اصول یعنی Principle of Limitation یا Determ. ination کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اولاً اس کے لئے نور کا امیج استعمال کیا گیا، جو جوہر کی اعلیٰ ترین اور رافع ترین شکل ہے اور جس کی رفتار یعنی Velocity حد قیاس سے باہر ہے۔ نور خود ایک ایسا تصور ہے جسے متشکل کرنا محال ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اپنے بدیع اور نادر اسلوب میں اسے ممیز یا Particualrize کرنے کے لئے متعدد ذرائع یا صورتیں خلق کی ہیں۔ مشکوٰۃ، مصباح، زجاجۃ کوکب دری وغیرہ اور اگرچہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''لیس کمثلہ شئی'' لیکن قرآن کریم میں جگہ جگہ تفکر وتامل کی تاکید بھی کی گئی ہے اور اشیاء اور احوال کے ادراک کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وجود مطلق سے وجود محدود کے ربط وتعلق کو سمجھنے اور سمجھانے سے بہتر اور کون سا موضوع ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ تزکیہ نفس اور تطہیر عمل کے ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ اور اسی سے ملحق اور وابستہ وہ عمل بھی ہے جسے وجود مطلق کی نسبت سے ہیگل کے الفاظ میں Self - Diremption کا عمل کہا گیا ہے۔ ہیگل نے وجود مطلق یا واجب الوجود کے لئے Ding an Sich کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر کائنات فطرت وجود میں آئی۔ اس کا ظہور یعنی Manifestation ہوا۔ اور اسے قرآن نے نور کہا ہے۔ بعد میں اشراقیہ مکتبہ فکر نے بھی نور کے مشتقات پر اپنی بنیاد رکھی۔

اگر یہ استفسار کیا جائے کہ انسانی معاشرے کے تناظر میں اس تصوف کے اصل سرچشمے کہاں متعین کئے جا سکتے ہیں تو اس کا قطعی اور دوٹوک جواب یہ ہوگا کہ اس کے سرچشمے ہیں غار حرا میں نبی کریمؐ کے مراقبات یعنی Meditations اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابوذر غفاری کے ایقانات باطنی اور اعمال حسنہ۔

اسی لئے اقبال نے پوری بصیرت کے ساتھ یہ بھی کہا ؎

یہ حکمت ملکوتی ، یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ان کے لئے، حرم کا درد، جان سے زیادہ عزیز اور اولیت اور فوقیت وبرتری یا ایک لفظ میں Primacy کا حامل ہے۔ خدا اور انسان، معبود اور عبد، خالق اور مخلوق یا امر اور خلق کے درمیان فرق وامتیاز فاصلہ اور دوری باقی رہتی ہے اور رہنی بھی چاہئے۔ بہ الفاظ دیگر غیریت اور عینیت کے درمیان یا ذات حق اور ذات خلق کے مابین بعد اور لاہوت اور ناسوت کے درمیان فصل، یہ اسلامی فکر کے عین مطابق ہے۔ حلاج کا نعرہ انا الحق کتنا ہی

Authentic سہی لیکن اس کی Authenticity کی تشہیر کیا ضروری تھی۔ اقبال حلول اور انضمام وانجذاب کے بالکل روادار نہیں ہیں گو وہ اس حدیث قدسی پر ایمان رکھتے ہیں۔ تخلقوا باخلاق اللہ، وحدت وجود اور وحدت شہود کے سلسلے میں ساری بحثیں جن کی بنیاد، ہمہ اوست، اور ہمہ از وست، کے درمیان فرق و امتیاز پر مدار رکھتی ہیں۔ اور گرمی بزم کا باعث بنی رہی ہیں۔ ہمیں کسی مثبت نتیجے کی طرف نہیں لے جاتیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے دونوں کے درمیان مصالحت یا تطبیق کی جو راہ نکالنا چاہی تھی اس کی لا حاصلی پر استہزاء شیخ علی حزیں کا یہ قول تصوف برائے شعر گفتن خوب است، صادق آتا ہے، تصوف کا سارا مسئلہ تو پایان کار انسانی ایغو اور حقیقت کبریٰ کے درمیان ربط و تعلق ہی کا ہے اور وجود یعنی Being کی جستجو اور اس کی طرف ایک طرح کا Exploratory رویہ۔ اس نے لئے کیا سبیل نکالی جائے۔ اس میں کہنے سننے کی کافی گنجائش ہے۔ انسانی فکر و عمل کی ساری مستقر توانائیاں اسی پر صرف ہوتی رہی ہیں۔ ہم یہ کہنے میں بہر صورت حق بجانب ہیں کہ اسلامی تصوف کا مرکز و محور وحدانیت نہیں بلکہ توحید ہے اور اسی کی روشنی میں آپ اقبال کی فکر کو اسلامی فکر سے منقطع کر کے نہیں دیکھ سکتے۔ ان کا یہ کہنا بڑا معنی خیز معلوم ہوتا ہے۔

تھی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب
کہ تہذیب فرنگی بے حرم ہے
عرب کے سوز میں ساز عجم ہے
حرم کا راز توحید امم ہے

بر سبیل تذکرہ یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت اور طریقت ایک دوسرے کو Nullify نہیں کرتے۔ یہ Anti-thetical نہیں ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کا تکملہ کرتے ہیں۔ امام غزالی کے معنی خیز الفاظ میں، دنیا منزلے است از منازل راہ دیں۔ عبدیت کسی حال میں مرتفع نہیں ہوتی۔ اور انبیاء کے طریق کار اور اولیاء کے معمولات اس امر پر شاہد عادل ہیں کہ احکام عبودیت کہیں بھی ساقط نہیں ہوتے۔ اور کسی حال میں ان کی تنسیخ ممکن نہیں۔ ہندوستان کے صوفیائے کرام آداب شریعت کا بدرجہ کمال احترام اور التزام کرتے اور انہیں پوری طرح برتتے تھے۔ ان کے دستور حیات میں شریعت اور طریقت ایک دوسرے کے نقیض نہیں ہیں۔ ان کے معمولات زندگی اس کی وافر شہادت فراہم کرتے ہیں۔ اور اس پر انگشت نمائی نہیں کی جا سکتی۔ صوفیانہ زندگی میں جو Rituals داخل ہو گئے ہیں اور جو بیرونی اثرات کی نشان دہی کرتے ہیں ان کا روح تصوف سے فی الاصل کوئی علاقہ نہیں ہے۔ یہ سب اضافی اور فروعی امور ہیں جنہوں نے اسے ایک حد تک Distort کر دیا ہے

۔تصوف کے صحیفۂ اخلاق میں رواداری، کشادگی، قلب ونظر، عفو ودرگذر، صلح وآشتی، اور خیر سگالی کے برتنے پر جو زور دیا گیا ہے اس کا مصدر، مخزن اور مخرج بھی آئین شریعت ہی ہے۔ یہ سب وہ اقدار ہیں جو اسلامی شریعت کے چشمۂ صافی سے پھوٹی ہیں۔ انہیں تصوف سے مختص کرنے کا عمل مخصوص نیت کے تابع یعنی Tendentious ہے۔ تاکہ اس طرح شریعت کی وقعت اور اہمیت کو کم کرکے دکھایا جاسکے۔ کہ آئین شریعت میں جو ایک طرح کی استواری اور سخت گیری ہے۔ اسے نظر بھر کر دیکھنا نہیں چاہیے۔ کیوں کہ اصل شئے طریقت کے معمولات ہیں اور ان معمولات ہیں اور ان معمولات کو اور دوسرے معمولاتِ زندگی سے ہم آہنگ ثابت کرکے شریعت اسلامی سے اجتناب اور عدم توجہی کی راہ ہموار کی جائے۔ اور بالآخر اس کا استرداد عمل میں لایا جائے۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ زندگی کے دو مقامات اور احوال ہیں۔ ایک کو ہم Exoteric کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو Esoteric اول الذکر کا تعلق ظواہر سے ہے۔ اور موخر الذکر کا تعلق ایک طرح کی سریت سے، قرآن کریم کی سورۃ البقرہ میں ان دونوں کے سلسلے میں نازل شدہ آیات کو بالترتیب محکمات اور متشابہات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سری مفہم کی تشریح وتوضیح کیلئے فہم وادراک کی زیادہ گہرائی اور دوررسی درکار ہے۔ یہ کہنا بھی بڑی حد تک درست ہے کہ ظواہر اور باطن کی زندگی دراصل ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ اشاعرہ اور معتزلے کے درمیان فرق بھی دراصل دو راستوں اور سمتوں ہی کا فرق ہے۔ مشاہد مشہود اور مشاہدہ ایک ہی واحد مرکب کے اجزا ہیں۔ اقبال کے ہاں Monism پر زور نہیں ہے۔ اس کے برعکس ان کے یاں ایک طرح کی Piurailty برآمد نظر رہتی ہے۔ مروجہ تصوف شریعت کی پابندیوں سے چاہے جتنا ہی گریزاں اور دامن کشاں نظر آئے۔ لیکن یہ بھی ذہن میں رکھنا ازبس ضروری ہے کہ اسلام کے ضابطۂ اخلاق میں معاشرتی اور اجتماعی زندگی کے مقتضیات پر جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا گیا قرار واقعی اصرار کیا گیا ہے۔ اس کے نظم وضبط اور توازن وصلابت کو نبھانے کے لئے کانٹ کے ایسے Categorical Imperatives کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور ان سے کسی حال میں مفر نہیں۔ ورنہ زندگی لازماً اختلال وانتشار کا شکار ہوکر رہ جائے گی۔ یہاں کوئی انتخاب یعنی Option دستیاب نہیں ہے۔ انفرادیت کی پرورش اور پرداخت اپنی جگہ کتنی ہی ضروری اور قابلِ احترام سہی لیکن اجتماعی زندگی کے تقاضوں اور مطالبات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان دونوں کے درمیان اعتدال اور توازن قائم رکھنا بغایت ضروری ہے۔ ورنہ نتیجتاً انراج کی صورت کا پیدا ہوجانا ناگزیر ہے۔

☆☆☆

قطعہ

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسنؒ سے
کہ جاں جاتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہیگی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

اقبالؒ

ڈاکٹر منظر حسین
شعبۂ اُردو، رانچی یونیورسٹی، رانچی

علامہ اقبال کی شاعری میں ہندوستان کی عظیم شخصیتیں

کسی بڑے فنکار کی عظمت کی ایک شناخت یہ بھی ہے کہ اس کے سرمایہ فکر میں احترام آدمیت، وسیع المشربی، مذہبی رواداری، انسانی اخوت اور حب الوطنی کے عناصر کس حد تک موجود ہیں اور وہ ہمیں کتنی بصیرت عطا کرتے ہیں۔ خصوصاً تاریخی شخصیتوں کے تئیں فنکار کا برتاؤ خود اس کے ذہن وفکر کا معیار متعین کرتا ہے۔ اس جہت سے شاعر مشرق علامہ اقبال کے کلام کا مطالعہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اقبال نے اپنی شعری تخلیق کو ان عظیم ہستیوں کی یاد سے آباد کیا ہے جنہوں نے تاریخ کے دھارے کو متعین کرنے میں کلیدی رول ادا کئے ہیں۔ خصوصاً ہندوستان کی عظیم شخصیتوں کے کارناموں اور پیغامات کو نہایت دیانتداری سے پیش کر کے وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اقبالؔ نے ہندوستان کی جن عظیم شخصیتوں کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے ان میں گوتم بدھ، گرونانک وغیرہ جیسے بانیاں مذہب بھی ہیں تو دوسری طرف رام، وشوامتر، سوامی رام تیرتھ، بھرتری ہری، معین الدین چشتی، محبوب الٰہی، حضرت نظام الدین اولیاء، مجدد الف ثانی جیسے مذہبی وروحانی پیشوا بھی۔ ٹیپو سلطان اور شیر شاہ وغیرہ جیسے شاہان مملکت سے عقیدت کا اظہار ہے تو دوسری طرف سرسید احمد خان جیسے مصلح قوم کے اصلاحی کارناموں کا اعتراف بھی۔ ان کے علاوہ علامہ اقبال نے ہندوستان کی بہت ساری عظیم ہستیوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اقبالؔ نے ان شخصیات کے انتخاب میں رنگ ونسل، مذہب وملت کے اعتبار سے کسی قسم کا افتراق نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک شاعرانہ صلاحیتوں کا اصل مقصد خیر کی عظمت کا اعتراف ہے اور یہی سچی دانشوری ہے۔

اقبال نے بانگ درا میں گوتم بدھ کو ''گوہر یک دانہ'' اور گرونانک کو فرد کامل کے نام سے یاد کیا ہے۔ اپنی نظم ''نانک'' میں کہتے ہیں۔

قوم نے پیغام گوتم کی ذرا پروانہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہریک دانہ کی

شاعرمشرق نے اپنی فارسی تصنیف ''جاوید نامہ'' میں گوتم بدھ کے فلسفہ اخلاق کی تشریح وتوضیح کی ہے۔ اقبال کے لفظوں میں گوتم بدھ کے وعظ کا ایک نکتہ یہ بھی ہے۔

از خود اندیش وازیں بادیہ ترساں مگذر
کہ تو ہستی و وجود دوجہاں چیزے نیست

یعنی اپنی شخصیت کی اصلاح اور تکمیل کی کوشش کرو، دنیا (بادیہ) اوراس کے واقعات وحادثات سے قطعی متاثر مت ہو کیونکہ درحقیقت تم موجود ہو اور یہ کائنات موجود نہیں ہے، اس کا وجود تمہارے تصورات پر مبنی ہے گوتم بدھ نے اپنی اخلاقی تعلیمات (اشٹنگ مارگ) میں اصلاح نفس کا جو طریقہ وضع کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حسن رخسار یعنی دنیاوی لذتیں سب فانی ہیں۔ آج ہیں کل نہ ہوں گی۔ جو چیز دراصل حاصل کرنے کے لائق ہیں وہ پاکیزہ خیالات اور اعمال ہیں ''حسن رخسار'' اور حسن کردار'' سے بڑھ کر کوئی نعمت یا لذت نہیں ہے۔

حسن رخسار دمے، ہست ودمے دیگر نیست
حسن کردار وخیالات خوشاں چیزے ہست

ہم اقبال کی وسعت قلبی کا داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ گوتم بدھ کی اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ دو لفظوں میں پیش کر دیا۔ گوتم بدھ کے ذکر میں شاعرمشرق کے احترام وعقیدت کا جذبہ اس حد تک کارفرما ہے کہ انہوں نے پیغمبروں کے زمرے میں شامل کیا ہے۔

شاعرمشرق علامہ اقبال شری رام چندر جی کی توصیف وتعریف میں بانگ درا میں جو اشعار لکھے ہیں، نہایت قابل ذکر ہیں اگر اقبال کو اپنا رمز شوق لالہ میں پوشیدہ نظر آتا ہے تو رام کے پیانوں سے بھی انہیں وہی شراب حقیقت چھلکتی نظر آتی ہیں۔ اقبال کھلے لفظوں میں انہیں ہندستان کا امام یا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں کہتے ہیں۔

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی
روشن تراز سحر ہے زمانے میں شام ہند

تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

اقبال نے ہندوستان کی جن دیگر عظیم شخصیتوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ان میں گرونانک کو بھی نمایاں مقام ہے۔ اپنی نظم ''نانک'' میں اقبال نے انہیں فرد کامل اور توحید کا سب سے بڑا علمبردار قرار دیا ہے۔ دیکھئے یہ شعر۔

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو ایک مرد کامل نے جگایا خواب سے

ہندوستان کے ایک ویراگی شاعر اور فلسفی بھرتری ہری اقبال کے محبوب ہندو شعراء میں ہیں۔ شاعر مشرق اس قدر متاثر ہیں کہ بھرتری ہری کے ایک اشلوک کو فارسی کا شعری جامہ عطا کر کے 'بال جبریل' کا عنوان بنا دیا۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پہ کلام نرم نازک بے اثر

جاوید نامہ کے ''آں سوئے افلاک'' والے حصہ میں زندہ رود کی ملاقات بھرتری ہری سے ہوتی ہے۔ رومی شاعر کو اس سے استفادہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ لہذا موقع کو غنیمت جان کر زندہ رود پوچھتا ہے کہ شعر میں سوز کہاں سے آتا ہے۔ ؟

شعررا سوز از کجا آید بگوئے
از خودی یا ازخدا آید بگوئے

بھرتری ہری نے بتایا کہ ہماری روح کی ساری لذت اور راحت جستجو پر موقوف ہے۔ لہذا جس شاعر کے دل میں جستجو کا جذبہ کارفرما ہے اس کے کلام میں سوز و گداز کا رنگ پیدا ہونا لازمی ہے۔

جان مارا لذت اندر جستجو ست
شعررا سوز از مقام آرزوست

آگے چل کر زندہ رود کی گذارش پر یہ فلسفی یوگی شاعر اہل ہند کو جہد و عمل کا پیغام دیتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

پیش آئین مکانات عمل سجدہ گذار
زانکہ خیزد از عمل دوزخ واعراف وبہشت

جاوید نامہ میں فلک قمر کے ایک غار میں پہلی روح جو اقبال اور ان کے رہنما رومی کو نظر آتی ہے، ہندوستان کے ایک قدیم عارف وشوامتر کی ہے جسے اہل ہند "جہاں دوست" سے موسوم کرتے ہیں۔ ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے وہاں (غار میں) ایک درخت کے نیچے ایک ہندی نژاد عارف بیٹھا ہوا تھا۔ وہ عریاں بدن تھا اور بالوں کا جوڑا اس کے سر پر بندھا ہوا تھا اور اس کے گرد ایک سفید سانپ حلقہ زن تھا۔ عارف ہندی نے شاعر کے متعلق اس کے رہنما سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ مجھے اس کی نگاہوں میں جاوداں ہونے کی آرزو نظر آتی ہے۔

گفت باروی کہ ہمراہ تو کسیست؟
درنگا ہش آرزوئے زندگیست

دونوں اسلامی شعراء سب سے پہلے اسی استاد کامل کی زبانی عالم کی حقیقت اور معارف سے آشنا ہوتے ہیں۔ جہاں دوست نے بتایا کہ عالم رنگ ہے یعنی تعینات اور تقیدات کا مجموعہ ہے جبکہ حق بے رنگی کا نام ہے، یعنی تمام تعینات وتقیدات سے آزاد اوبالاتر۔ شاعر اور اس کے رہنما رومی سے عارف ہندی (وشوامتر) سے ملاقات، فلسفیانہ مسائل پر گفتگو عارف ہندی کا شاعر کی علمیت واستعداد کا امتحان لینا اور جواب سن کر شاعر کو قیمتی اور علمی نکات سمجھانا، یہ پوری تفصیل اقبال کے احترام آدمیت اور وسعت قلبی کا ترجمان ہے۔

اقبال کو یقین تھا کہ دنیا کی تقدیر بنانے اور تاریخ کا دھارا متعین کرنے میں فرد کے کردار کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ان کا یہ یقین ان کے فلسفہ خودی کے عین مطابق ہے۔ ایک فرد جب اپنی خودی کی تربیت کر کے اسے پروان چڑھاتا ہے تو وہ بے انتہا روحانی قوتوں کا خزانہ بن جاتا ہے۔ اقبال ہندوستان کی تاریخ میں جن عظیم شخصیتوں کے انتخاب میں اپنی وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہیں ان میں سلطان ٹیپو شہید کی شخصیت میں کردار کی بلندی اور فکر کی عمق پالیتے ہیں جو ان کے نظریہ حیات سے یک گونہ مطابقت رکھتا ہے۔ شاعر مشرق نے ضرب کلیم" میں ایک نظم "سلطان ٹیپو کی وصیت" کے عنوان سے قلمبند کی ہے جس میں سلطان شہید کی وصیت کو پروقار انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے الہامی نغموں کی شان پیدا ہوگئی ہے۔ پہلا ہی شعر ہے۔

تو رہ نوردِ شوق ہے؟ منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشین ہو تو محمل نہ کر قبول

اور آخری شعر ہے۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

ضرب کلیم کے علاوہ جاوید نامہ، میں ایک بار پھر ہندوستان کے مایہ ناز سپوت سلطان ٹیپو سلطان شہید کی زبان سے باشندگان دکن کو شجاعت، حق پرستی، پامردی، اور حیات مرگ وشہادت کی حقیقت واسرار و معارف سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ فردوس بریں میں شاعر کی ملاقات جن سلاطین سے ہوتی ہے ان میں سلطان ٹیپو شہید کی شخصیت سب سے زیادہ قد آور اور سر برآوردہ ہے۔ انہوں نے جو پیغام دیا ہے اس کا ایک ایک لفظ دل پر نقش کر جاتا ہے۔ پیرایہ بیان میں بلاغت ہے۔ یہاں تمام نکات کی تفصیل ممکن نہیں لہذا مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیغام کے چند نکات پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ پیغام تمام بنی نوع انسان کے لئے خضر راہ ہے۔

دیکھئے یہ اشعار

درسرائے ہست وبود آئی؟ میا
از عدم سوئے وجود آئی ؟ میا
در میان چوں شرار از خود مرد
در تلاش خرمنے آوارہ شو

(اگر دنیا میں ائے ہو تو پھر چنگاری کی طرح زندگی مت بسر کرو کہ ادھر چمکی ادھر غائب ہوگئی۔ بلکہ کسی خرمن کی تلاش کرو تا کہ اسے جلا کر اپنی چند روزہ زندگی کا مقصد حاصل کرسکو)

زندگی راچیست رسم و دین کیش ؟
یک دم شیری بہ از صد سالہ میش

(تجھے معلوم ہے کہ زندگی کا طریقہ وآئین کیا ہے؟ بھیڑ بکری یا غلامی کی سو سالہ زندگی کے مقابلے میں شیر یا آزادی کے ایک دن کی زندگی ہزار درجہ بلکہ لاکھ درجہ بہتر و برتر ہے۔)

ٹیپو سلطان جب کاویری کو والہانہ الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تو مجھے جیحوں اور فرات سے بھی زیادہ محبوب ہے اور دکن کے حق میں تیرا پانی بمنزلہ آب ہے۔

اے مرا خوشتر ز جیحوں و فرات
اے دکن را آب تو آب حیات

موج تو جز دانۂ گوہر فرات
طرہ تو تا ابد شوریدہ باد

ہندستان کی عظیم شخصیتوں کے ساتھ اقبال کا انہماک اس معنی خیز اور وسیع الاطراف علامیت کا منبع ومصدر ہے جوان کی شاعری کی دائمی رعنائیوں میں سے ایک ہے۔ یہ شخصیتیں ان معنی ومطالب کی ترجمان بن جاتی ہیں جن کا اقبال کے فلسفہ حیات سے گہرا تعلق ہے اور وہ ایسی دائمی اور زندہ جاوید حقیقتوں کی نمائندگی کرتی ہیں جن پر ہنگامہ تاریخ انسانی کی رنگینی، گرمی اور ہماہمی موقوف ہے۔ اقبال ان سے خصوصی طور پر متاثر ہیں۔ میر سید علی ہمدانی اور ملا طاہر غنی کشمیری کی شخصیت اسی زمرے میں شامل ہے۔ شاعر مشرق کو ملا طاہر غنی کشمیری سے خاص عقیدت تھی وہ ان کے محبوب شاعروں میں تھے علامہ نے اسی جذبے کے تحت 'پیام مشرق' میں ایک نظم غنی کشمیری کے عنوان سے لکھی۔ 'جاوید نامہ' میں بھی آنسوئے افلاک والے حصے میں اپنے رہنما رومی سے پنجاب کے حالات سن کر زندہ رود کا دل ابھی غمگین ہی تھا کہ حواض کوثر کی طرف سے آواز آئی

جمع کردم مست خاشاکے کہ سوزم خویش را
گل گماں دارد کہ بندم آشیاں درگلستاں

(یہ میں نے مشت خاشاک جمع کی کہ اپنے آپ کو جلاڈالوں لیکن پھول یہ گمان کر رہا ہے کہ میں گلستاں میں آشیاں بنا رہا ہوں)

جو کشمیر کے شہرہ آفاق شاعر ملا طاہر غنی کی آواز تھی۔ اقبال نے یہ شعر اس لئے نقل کیا کہ وہ اس کے ذریعے یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ دنیا سے دل لگانے کا نتیجہ تباہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اقبال نے کچھ اور سوالات کشمیر کے متعلق کئے ہیں جس کا جواب طاہر غنی کشمیری نے دیا ہے۔ میر سید علی ہمدانی کلام اقبال میں صرف ایک مرتبہ نمودار ہوئے ہیں۔ ان سے ہماری ملاقات ''جاوید نامہ'' میں ہوتی ہے۔ اقبال اپنے پیغام کے بنیادی اصولوں کی ترجمانی کیلئے ان کا انتخاب کرتے ہیں اور تاریخ کے ایک عظیم معمار کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ایسے خدامست اور صاحب بصیرت مرد کامل سے اسرار مرگ وحیات، حقیقت خیر وشر اور اقوام کے اسباب عروج وزوال کے متعلق استفسار کرتے ہیں جس کا جواب شاہ ہمدانی اس طرح دیتے ہیں۔

بندہ کز خویشتن دارد خبر
آفریند منفعت را از ضرر!

بزم باد یواست آدم را وبال
رزم بادیو است آدم راجمال

اقبال کو بزرگان دین سے گہری عقیدت ومحبت تھی۔ انہوں نے اپنے کلام میں جا بجا اس جذبے کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے وجود کو ہندوستان کے لئے باعث صد افتخار تسلیم کرتے ہیں۔ بانگ درا کی نظم ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' کی ابتداء ہی اس طرح ہوتی ہے۔

چشتی نے جس زمیں پہ پیغام حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا ثم محبوب الٰہی سے بھی غیر معمولی عقیدت تھی حضرت محبوب الٰہی نے ایک چھوڑ سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا لیکن پوری زندگی میں بادشاہ کے دربار میں جانا تو درکنار حضرت نے کسی بادشاہ کو اپنے دربار میں بھی حاضری کی اجازت نہیں دی۔ ان کی زندگی سے اقبال کو آئیڈیل مومن کا تصور حاصل ہوسکا ہے۔ بانگ درا میں شامل ایک نظم ''التجائے مسافر'' کے عنوان سے ہے۔ اقبال یکم ستمبر ۱۹۰۵ کو لاہور سے سفر طے کر کے ۵ ستمبر ۱۹۰۵ حضرت محبوب الٰہی کے آستانے پر حاضر ہوئے۔ یہ آویز نظم بڑے ادب اور بڑی عقیدت کے ساتھ حضرت اقدس کے حضور میں پڑھ کر سنائی محبوب الٰہی کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تیری شخصیت مرکز عشق الٰہی ہے۔ اگر تو نہ ہوتا تو نظام عاشقی تہہ و بالا ہو جاتا تیرے دم سے عشق الٰہی کا سلسلہ قائم ہے۔ صرف دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا

اقبال نے بانگ درا میں ہندوستان کی ایک اور عظیم شخصیت سوامی رام تیرتھ کی خدمت میں بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ سوامی رام تیرتھ اور اقبال دونوں اس مسلک پر عمل پیرا ہیں کہ اللہ (ایشور) محبت (بھگتی) سے مل سکتا ہے۔ سوامی رام تیرتھ پر رام کی محبت کا ایسا غلبہ ہوا کہ عین دریا میں سمادھی لگادی۔ اقبال کہتے ہیں کہ سوامی جی نے ویدانت پر عمل کر کے دکھادیا کہ انسان کی روح کا خدا سے وہی رشتہ ہے جو قطرہ کا دریا سے ہے۔

اقبال کی شاعری میں عورتوں سے متعلق سنجیدگی، تمکنت اور وقار ملتا ہے۔ شاعر مشرق نے ہندوستان کی عظیم عورتوں کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا ہے اور ان کا اصل مقام متعین کرنے میں بھی اپنی انفرادیت قائم رکھتی ہے ایک ایسی شخصیت کا ذکر کرنا ضروری ہے جس کی یاد میں نظم کہہ کر اپنی وابستگی اور الفت فرزندی کی تصویر کھینچ دی ہے۔ نظم کا عنوان ہے 'والدہ مرحومہ کی یاد میں' جو ان کی شاعری کا مجموعہ بانگ درا میں شامل ہے۔ پوری نظم سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی اور اس کا ہر بند بلکہ ہر شعر عبرت اور تفکر کا اشاریہ ہے۔ اس میں شاعر مشرق نے موت و حیات کے فلسفے کو نہایت ہی فنکارانہ اور حکیمانہ طور پر پیش کیا ہے۔ یہ شعر تو ضرب المثل بن چکا ہے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!

اسی طرح جاوید نامہ ''کے'' آنسوئے افلاک'' والے حصے میں ''قصر شرف النساء'' کے عنوان کے تحت پنجاب کی ایک پاکباز خاتون کی نہ صرف عظمت اور شان فقر کا اعتراف کیا ہے بلکہ اپنی ارادت و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے رہنما رومی کی زبان سے کہلوایا ہے کہ ایسی دختر نیک اختر شاید ہی کسی ماں کے بطن سے پیدا ہوئی ہو۔

قلزم ما ایں چنیں گوہر نزاد
ہیچ مادر ایں چنیں دختر نزاد

مطالعہ اقبال کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک ان شخصیتوں کا بھی ذکر نہیں کیا جائے جن سے اقبال بہت متاثر رہے ہیں۔ ہندستان کے عظیم سپوت سرسید احمد خان کے مصلحانہ قیادت، حکیمانہ رہنمائی اور تدبر سے بھرے ان کے مشن کو دیکھ کر اقبال کو ان کی ذات میں مرد مومن کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ وہ اس لئے کہ سرسید جیسا مثالی انسان کارگہہ حیات میں ایک ایسے پیغام کو عملی طور پر نافذ کرنے کیلئے آمادہ جہاد ہے جس سے قوموں کی تقدیر سنورتی ہے۔ اقبال نے بانگ درا میں ایک نظم بہ عنوان ''سید کی لوح تربت'' میں سرسید کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اقبال نے سرسید کی زندگی اور مصلحانہ خدمات سے جو اثر قبول کیا ہے اسے اس نظم میں سرسید موصوف کی لوح تربت کی زبان سے ادا کیا ہے۔ تمام اشعار سرسید کے پیغامات اور مشن کے نچوڑ ہیں۔ مثلاً سیاست کے ساتھ دنیا کی اہمیت کا احساس بھی قوم کو دلایا جائے، فرقہ بندی سے اجتناب کی تلقین کی جائے۔ ارباب سیاست کے متعلق سرسید کی نصیحت یہ ہے کہ اس میں دلیری اور اخلاق

جرات ہو۔ کلمہ حق کہنے سے بالکل نہ ڈرے۔ اس میں ریا کاری اور منافقت کا شائبہ تک نہ ہو۔ اسی طرح شعراء بھی اپنے قلم کو ہجو اور مذمت، بدگوئی اور خوشامدانہ اشعار سے پاک رکھیں۔ قوم کو جھنجوڑنے اور صداقت کی تبلیغ کو اپنا شعار بنائیں۔

سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمن باطل جلا دے شعلہ آواز سے

اقبال نے ہندوستان کی ایک اور عظیم شخصیت اور اردو کے بلند پایہ شاعر مرزا غالب کی خدمت میں بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔ بانگ درا میں شامل اپنی نظم "مرزا غالب" میں ان کی شاعری کو تخیل کا منتہائے پرواز کہا ہے۔ جو انسان کی قوت بنان کے لئے باعث صد افتخار ہے۔ دیکھئے۔

زندگی مضمر ہے تیری شوخیٔ تحریر میں
تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں

شاعر مشرق نے یوں تو ہندوستان کی بہت ساری عظیم شخصیتوں کا ذکر اپنے کلام میں کیا ہے جس کی فہرست کافی طویل ہے۔ ہر ایک کا ذکر ممکن نہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل سے جو نقش ابھرتا ہے وہ ہمارے اس خیال کو تقویت بخشتا ہے کہ شاعر مشرق علامہ اقبال کے یہاں وطن اور اس کے ہر ذرے سے محبت، خلوص اور ایثار پایا جاتا ہے۔ وہ ہندوستان کی عظیم شخصیتوں کی حیات کو ابدی بنانے کے متمنی ہیں۔ شاعر مشرق نے ان شخصیتوں کا نہ صرف ریکارڈ پیش کیا ہے بلکہ ان کی اخلاقی تعلیمات، مصلحانہ ہدایات اور حکیمانہ نصائح سے اپنی شعری دنیا کو بھی آباد کیا ہے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کی عظیم شخصیتوں سے شاعر مشرق کی عقیدت واحترام کا مظاہرہ احترام آدمیت اور وسعت قلبی کا ترجمان ہے اور ان کی دانشوری انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی ضامن وہ ہمیشہ اس اصول کے علمبردار رہے۔

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی

☆☆☆

قطعہ

ترا جوہر ہے نوری، پاک ہے تو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تو!

اقبالؔ

عبدالرحیم قریشی

جناب سید خلیل اللہ حسینی مرحوم

اقبالؔ کے پیام حرکت و عمل کا مجسم پیکر

جناب سید خلیل اللہ حسینی شہر حیدرآباد میں ۱۸ مارچ ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے ۱۹۴۲ء میں انھوں نے میٹرک کا امتحان درجہ اول میں کامیاب کیا اور ساری ریاست میں دوسرے نمبر پر رہے ۱۹۴۶ء میں شعبہ فنون میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی اور تاریخ کے مضمون میں امتیاز پایا۔ مارچ ۱۹۴۸ء میں سماجیات کے مضمون سے درجہ اول میں ایم۔اے کی ڈگری لی۔ اعلیٰ تعلیم اور ملازمت کے مواقع کو نظرانداز کر کے انھوں نے پیشہ تدریس اختیار کیا اور ۱۹۵۰ء میں اعزہ ہائی اسکول سے بحیثیت ٹیچر وابستہ ہوئے اور ساتھ ساتھ ایوننگ لا کالج میں قانون کی تعلیم بھی جاری رکھی ۱۹۵۳ء میں انھیں انوارالعلوم کالج میں لکچرار کی خدمت کا پیش کش کیا گیا۔ یہ ریاست حیدرآباد کے اعلیٰ تعلیم کے پہلے مسلم کالج کا آغاز تھا اور اس نو قایم شدہ کالج کے انتظامیہ نے جناب سید خلیل اللہ حسینی کی انتظامی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے انھیں اس پہلے مسلم کالج کا وائس پرنسپل مقرر کیا۔ اسی سال انھوں نے قانون کی تعلیم مکمل کی اور ال ال بی کی ڈگری حاصل کی ۱۹۵۵ء میں خالدہ بیگم صاحبہ سے ان کی شادی ہوئی۔ ۱۹۶۷ء میں وہ انوارالعلوم ایوننگ کالج کے پرنسپل بنائے گئے اور کچھ ہی عرصہ بعد انوارالعلوم ڈے کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۳ء میں وہ اس خدمت سے سبکدوش ہوئے۔ ان کی جاں سوزی نے انوارالعلوم کالج کو بہت ترقی دی۔ انٹرمیڈیٹ درجہ کے اس کالج کو انھوں نے ڈگری کالج بنایا جہاں فنون اور سوشیل سائینس کے علاوہ سائینس، الکٹرانکس اور کامرس کے شعبے قایم ہیں۔ اس خدمت کے دوران انھوں نے ان کالجس کے لیے لائبریری بلڈنگ کے علاوہ دیگر عمارات کا اضافہ کیا۔ طالبات کے لیے علیحدہ کالج کے لیے وہ سرگرم محرک رہے اور ان ہی کوششوں سے طالبات کا وہ کالج قایم ہوا جو پرنسس شہکار ویمنس کالج کہلاتا ہے۔ حیدرآباد میں تعلیمی شعور کی بیداری میں ان کی خدمات نہایت نمایاں ہیں۔

پیام اقبالؔ کی اشاعت کے لیے منظم مساعی

جناب سید خلیل اللہ حسینی، اقبالؔ سے بے حد متاثر تھے اور اقبالؔ کے پیام کی اشاعت پر انھوں نے اپنی کوششوں کو مرکوز کیا کہ یہ پیام، ملت خفتہ کی بیداری کا ذریعہ ہے۔ اپنی گفتگو، تحریر و تقریر میں اقبالؔ کے اشعار کا برجستہ استعمال اور پھر اس دور میں جب کہ خلیل اللہ حسینی کا شمار فصیح اللسان اور شعلہ بیان مقررین میں ہوتا تھا۔ اقبالؔ کے

اشعار پڑھنے کا انداز بہت اثر انگیز رہا کرتا تھا اس پر عزم اور باہمت شخص نے دکن کے مشہور قایدنواب بہادر یار جنگ کی محفلوں میں اقبال کو سمجھا اور ان کی محفلوں سے جن کو اس دور کے نامور ماہرین اقبالیات مخاطب کیا کرتے تھے' سید خلیل اللہ حسینی نے اقبال کے حرکت وحرارت بخشنے والے پیام کی وہ گرمی پائی جس نے انھیں ہمیشہ مضطرب اور مصروف عمل رکھا۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں اقبال سے وابستگی کا اظہار کرنا جرم سمجھا جاتا تھا۔ اقبال کے ساتھ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی ذمہ داری وابستہ کردی گئی تھی اور اقبال کا نام لینے والا ہندوستان کا غدار سمجھا جاتا تھا سابق ریاست نظام حیدرآباد میں یہی کیفیت اس فوجی حملے کے بعد پیدا ہوئی جس نے اس ریاست کو ختم کر کے اس علاقہ کو ہندوستان کا جزو بنادیا۔

جناب خلیل اللہ حسینی نے ایسے ماحول میں اقبال کے نام اور اقبال کے پیام کو نہ صرف پیش کیا بلکہ دوسروں کو بھی اقبال فہمی اور اقبال شناسی پر مائل کیا۔ ۱۹۵۰ء میں انھوں نے سقوط حیدرآباد کے بعد نہایت نامساعد حالات میں نوجوانوں کے احساس مایوسی کو عزم اور حوصلہ میں بدلا۔ بزم احباب قایم کی اور اس بزم احباب کو دل ہارے مسلم طلبا ء اور نوجوانوں میں اسلام پر اعتماد بحال کرنے اور ان کو آمادہ عمل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ بزم احباب کی محفلوں میں اقبال کا کلام پڑھا جاتا اور اقبال کے پیام کے ذریعہ اسلام سے شیفتگی کی کیفیت پیدا کی جاتی۔ ۱۹۵۴ء میں بزم احباب کا نام مجلس تعمیر ملت رکھا گیا۔ تعمیر ملت کے جلسوں اور اس کے اسٹڈی سرکل کے اجتماعات میں اقبال کا کلام ہر پروگرام کا جزو ہوتا اور بعض محفلوں کا موضوع ہی اقبال اور اقبال کا پیام ہوتا تھا۔

۱۹۵۷ء میں جناب سید خلیل اللہ حسینی نے کل ہند مجلس تعمیر ملت کے اسٹڈی سرکل کے تحت بڑے پیمانے پر دو روزہ یوم اقبال اور نمائش اقبالیات کے منصوبہ کا اعلان کیا جس کے ساتھ ہی مخالفتوں کی بوچھار شروع ہوئی ان مخالفتوں کے باوجود دو روزہ یوم اقبال اور نمایش اقبالیات کا انتہائی اعلی اور کامیاب پیمانہ پر انعقاد عمل میں آیا۔ ۱۹۵۹ء میں اقبال اکیڈیمی کا قیام ان ہی کی تحریک پر عمل میں لایا گیا تاکہ اس ادارہ کے ذریعہ فکر اقبال کی اشاعت منظم انداز میں کی جائے اور ایسے نظریات کی تحقیق کی دعوت اصحاب علم کو دی جائے جن پر فکر اقبال مبنی ہے۔ اقبال اکیڈیمی نے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اقبال کے پیام کی اشاعت کے لیے مختلف سرگرمیوں کو منظم کیا اور سیمینار اور سمپوزیم کا انعقاد عمل میں لایا پروفیسر صلاح الدین' ڈاکٹر ظہیر الدین الجامعی' ڈاکٹر عالم خوندمیری اور ڈاکٹر غلام دستگیر رشید کے لکچرس کا اہتمام کیا تقریباً ہر سال یوم اقبال کا انعقاد عمل میں لایا گیا اور نمائش اقبالیات کا انصرام کیا گیا طلباء اور طالبات کیلئے مقابلے منعقد کیے گیے اقبال اکیڈیمی کی تمام سرگرمیاں جناب سید خلیل اللہ حسینی' صدر اقبال اکیڈیمی کی مسلسل دلچسپی کا نتیجہ رہی ہیں ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۷ء میں اقبال صدی تقاریب کا اہتمام کیا گیا۔ ۱۹۸۶ء میں

عالمی اقبال سیمینار کا انعقاد عمل میں لایا گیا جس میں بیرون ہند کے کئی ماہرین اقبالیات نے بھی حصہ لیا۔ اقبال اکیڈیمی کے علمی رسالہ اقبال ریویو'' کی اشاعت جاری ہے۔ اکیڈیمی نے اب تک (۱۵) کتابیں شائع کیں اقبال اکیڈیمی کے ان تمام سرگرمیوں کے لیے قوت محرکہ جناب سید خلیل اللہ حسینی کی شخصیت رہی ہے

ایک دور تو وہ تھا کہ اقبال کا نام لینا جرم سمجھا جاتا تھا اور اب وہ دور ہے کہ اقبال کا نام لینا ایک فیشن اور اقبال پر کچھ کہنا ادب نوازی کی علامت بن گیا ہے اس کے ساتھ ہی ادب کے وہ نقیب جنھوں نے اقبال کو فاشست قرار دیا تھا اقبال کو اشتراکیت کا ہمنوا بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے اور وہ جو تخلیق پاکستان کے ناکردہ گناہ کے احساس میں مبتلا ہیں' اقبال کے وطن دوستانہ اشعار ہی میں اقبال کی ساری شخصیت کو گم کردیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے نقطہ نظر کی تائید میں فکر اقبال کے کسی جز پر اصرار کرتے ہوئے اس کے مجموعی پیام کو نظر انداز کردیتے ہیں جناب سید خلیل اللہ حسینی نے اقبال کو مسخ کرنے کی ان کوششوں پر تنقید کی اور اقبال کے معروضی مطالعہ پر زور دیا۔

جناب سید خلیل اللہ حسینی کا یہ کارنامہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے کہ ایسے دور میں جب کہ اقبال کو مصلحتوں کے لبادے میں پیش کیا جارہا ہو یا کسی غیر اسلامی فکر کو پروان چڑھانے کے لیے اقبال کا استحصال کیا جارہا ہو' انھوں نے اقبال کو اقبال کی حیثیت میں پیش کیا۔

جناب سید خلیل اللہ حسینی نے اقبال کو فرقہ پرست قرار دینے کی کوششوں کو کھلی زیادتی گردانتے ہوئے کہا کہ اسلام جیسے انسانیت نواز اور آفاقی پیام کو پیش کرنا فرقہ پرستی نہیں بلکہ انسانیت دوستی ہے آج ہندوستان کی فضاؤں میں اقبال کا نام بلند ہونے لگا ہے اس کے لیے عزم پیدا کرنے اور ماحول کی ناسازگاری کو توڑنے کا سہرا جناب سید خلیل اللہ حسینی کے سر جاتا ہے جن کے غلغلہ کی بازگشت اب سارے ہندوستان میں سنائی دینے لگی ہے آزاد ہند میں اقبال کی بازیافت اور اقبال فہمی کی تاریخ خلیل اللہ حسینی کے تذکرہ کے بغیر نامکمل رہے گی۔ عالمی اقبال ایوارڈ کمیٹی جدہ نے ۱۹۸۸ء میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اقبال ایوارڈ پیش کیا۔

جناب سید خلیل اللہ حسینی کے نمایاں ملی خدمات کے علاوہ ان کی قایم کردہ اقبال اکیڈیمی آج ایک فعال ادارہ کی صورت میں سرگرم عمل ہے۔

☆☆☆☆☆

قطعہ

جمالِ عشق و مستی ناز نوازی
جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی!

اقبالؒ

حیات عالم بہ یک نظر

(ڈاکٹر عالم خوندمیری)

۷ فروری ۱۹۲۲ء کو حیدرآباد کے ایک مذہبی گھرانہ میں پیدا ہوئے جو علم وفضل اور سلسلہ رشد وہدایت کے اعتبار سے ممتاز رہا ہے۔ ان کے والد محترم کا نام حضرت میاں سید میری خوندمیری تھا۔ والدۂ محترمہ سیدہ شمس النساء، مشہور عالم علامہ حضرت سید اشرف شمسیؒ کی صاحبزادی تھیں۔

فارسی اور عربی کے ساتھ مروجہ علوم کی ابتدائی تعلیم اپنے نانا علامہ شمسی مرحوم کی نگرانی میں گھر پر ہی حاصل کی۔ اسکول کی تعلیم کا آغاز دسطانی درجہ سے کیا۔ میٹرک کا امتحان ۱۹۳۷ء میں پاس کیا۔

۱۹۳۹ء، ۱۹۴۱ء، ۱۹۴۳ء میں علی الترتیب انٹرمیڈیٹ، بی اے، اور ایم اے کی تکمیل کی۔ ۱۳/اگست ۱۹۴۲ء کو محترمہ سیدہ خدیجہ بانو دختر مولوی سید ابوالحسن علی ایڈوکیٹ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔

اکتوبر ۱۹۴۴ء میں حیدرآباد اسٹیٹ بنک میں Probationary officer کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔

اگست ۱۹۴۷ء میں بہ حیثیت لکچرر عثمانیہ یونیورسٹی میں تقرر عمل میں آیا۔ اولاً آرٹس کالج ورنگل، اس کے بعد سٹی کالج اور نظام کالج میں تدریس کے فرائض انجام دیئے ۱۹۶۲ء میں آرٹس کالج عثمانیہ یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے۔

۱۹۶۸ء میں اقبالؔ کے تصور زماں پر پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔

دوران تعلیم اور ملازمت' علامہ سید شہاب الدین سے علم حدیث وفقہ کی تحصیل کی۔ مولانا سید شاہ قطب الدین صابری امیر جامعہ نظامیہ سے علم تفسیر وفقہ کے حصول میں استفادہ کیا۔

۱۹۶۹ء میں جرمن اکیڈیمک ایکسچینج کی دعوت پر اسلامی فلسفہ اور قانون کے مطالعہ کے لئے ہائیڈل برگ، میونخ، بون، اور مغربی جرمنی کی دیگر جامعات کا دورہ کیا۔ اسی سال بیروت اور کابل یونیورسٹیوں میں منعقدہ سمینارس میں حصہ لیا۔

۱۹۷۵ء میں مصر کا دورہ کیا۔ وہاں کی ممتاز علمی شخصیتوں سے تبادلۂ خیال کیا اور لکچرس دیئے۔

اکتوبر ۱۹۷۶ء میں نیویارک میں فلاسفی اینڈ لائف کے موضوع پر منعقدہ بین الاقوامی سمینار میں شریک

ہوئے اور امریکہ کی دیگر جامعات کا بھی دورہ کیا اور لکچرس دیئے۔

اکتوبر ۱۹۷۷ء میں پونہ یونیورسٹی کے تحت Islam Philosophical perspective کے موضوع پر تین لکچرس دیئے۔

اگست ۱۹۷۸ء کے دوران اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی کے تحت Poetic Philosophy of Iqbal کے عنوان پر چار لکچرس دیئے۔

وینکٹیشورا یونیورسٹی تروپتی کے تحت ستمبر ۱۹۷۸ء میں اسلام کے کلاسیکل اور جدید اسکالرس، کے موضوع پر منعقدہ مذاکرہ میں شرکت کی۔

اس کے علاوہ ملک کی کئی جامعات کے منعقدہ سمینارس اور مذاکرات میں شریک رہے۔

۱۹۸۲ء میں صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ کی حیثیت سے وظیفہ حسن خدمت پر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

۲۸ دسمبر ۱۹۸۲ء کو امریکہ Port Of Spain Trinidas کے لئے روانہ ہوئے جہاں God The Contemporory Debate -Islamic Perspective کے موضوع پر اپنی زندگی کا آخری مقالہ پڑھا۔ وہیں شدید بیمار ہوگئے اور گردے بے کار ہوگئے۔ بیماری کی حالت میں ۲۷ اپریل ۱۹۸۳ء حیدرآباد واپس آئے۔

۲۷ ستمبر ۱۹۸۳ء صبح کی اوالین ساعتوں میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ تدفین، خطیرۂ مشیرآباد (حیدرآباد) میں عمل میں آئی

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر عالم خوندمیری

عالم کا خط اقبال کے نام

اے غمگسار اے دانائے راز

شادم کہ عاشقاں راسوز دوام دادی

درماں نیافریدی آزار جستجو را

اس خاموشی، اس تنہائی اور اس سناٹے میں کس نے یہ ساز چھیڑ دیا، یہ کیسا عجیب نغمہ ہے، کتنا پرسوز اور دل نواز جیسے کوہساروں سے گرتے ہوئے پرشور آبشار۔ جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم، دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں، یہ کیسی آواز ہے جس سے اب تک کان لذت گیر ہیں۔ کیا یہ وہی سرود رفتہ ہے، وہی آپ کی آواز ہے جس نے آدم کے خیر مقدم میں سب سے پہلے وہ نعرۂ مستانہ بلند کیا جس کی گونج آج تک باقی ہے۔ غالب کے بعد آپ ہی نے ایک انسان کا تصور دیا جس کی خونیں جگری پر عشق چلا اٹھا اور جس کی صاحب نظری کے آگے حسن بھی کانپ گیا۔

زمانہ صبح ازل سے رہا ہے محو سفر
مگر یہ اس کی تگ و دو سے ہوسکا نہ کہن

ہماری شاعری اور ہمارے ادب میں آپ سے پہلے انسان ایک حقیر اور مجبور وجود تھا۔ وہ جسے قدرت نے مہر و ماہ کی تسخیر کیلئے پیدا کیا تھا، وہ جو اپنی تقدیر میں فرشتہ جسد و پیمبر شکار و یزداں گیر تھا۔ وہ جس کی ہمت مردانہ کا تقاضا تھا کہ یزداں کو اپنی کمند میں لے آئے اور وہ جس کے عروج کے تصور سے انجم بھی سہمے جاتے تھے۔ ایسے وجود کو ہمارے شاعروں نے ایک مجبور وجود بنادیا اور اختیار جو انسان کا ایک بنیادی وصف تھا ایک دھوکہ، ایک فریب اور ایک وہم بن گیا۔ انسان کا یہ نا آشنائے کہنگی تصور آپ سے پہلے کس نے دیا تھا۔ آپ ہی نے پہلی بار نفس انسان کی لازوال پذیری اور ابد کوشش حقیقتوں کو محسوس کیا اور تکریم آدم کے ایک ارفع تصور کو ابھارا۔ وہ راز خدا بن گیا۔ اُسے وہ بحر بنایا جس کا ہر قطرہ بحر بیکرانہ۔ اس کی متضاد کیفیتوں کو ایک عجیب وحدت بخشی۔ اُسے صفت الٰہی کا خوش پیکر قرار دیا اور اس کا شریک کار سمجھا۔ کیا آپ ہی کا کہنا نہیں۔

نوائے عشق را ساز است آدم
کشاید راز و خود راز است آدم

جہاں او آفرید ، ایں خوب تر ساخت
مگر با ایزد ، انباز است آدم

آپ سے پہلے کس نے اس انداز دلبری سے اس کی عظمت و سرفرازی کا راگ چھیڑا تھا۔ آپ نے انسان کو شاہین بھی کہا اور اُسے آداب فنا بھی سکھائے اور ایک نئے ''جادہ'' کی تخلیق کے راز بھی۔

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہِ دیگراں رفتن عذاب است
گراز دستِ تو کارِ نادر آید
گنا ہے ہم اگر باشد ثواب است

آپ نے جس مرحلۂ شوق کی طرف بلایا، جستجو اور آرزو کے جو طوفان اس کے اندر اٹھائے، اسے جو وقار بخشا یہ وہی آپ کی بخشی ہوئی انوکھی برتری اور سرفرازی تو ہے جس نے انسان کو اُردو شاعری کی ایک روایت بنا دیا۔

''جشن گل'' کی جستجو آپ کو تڑپاتی تھی، آپ کی خوبیٔ قسمت کہ آپ نے اسے پالیا۔ لیکن آپ کے بعد آنے والے جو اس تلاش گل میں چلے تو شاید راستہ ہی کھو بیٹھے، شاید زندگی کے غوغائے محشر نے انہیں کچھ اتنا حیران و پریشان بنا دیا کہ وہ اپنی خموشیوں کو نغمہ نہ بنا سکے۔ اپنی آوازِ دروں کو خود نہ سن سکے اور آپ کی سی جولانیٔ فکر اور اس آہنگ کو نہ پا سکے جو فن کو باقی اور لازوال بناتا ہے۔ شاید وہ اس ''سوزِ جگر'' سے محروم تھے جو ''حقیقت'' کو فن کا روپ عطا کرتا ہے۔

آپ نے انسانی نظروں کو وہ حسن دکھایا جو سوزِ زندگی بن کر ہر شئے میں منور رہتا ہے مگر آپ کے بعد آنے والے اس حسن پنہاں کی، لطافتوں کو پوری طرح نہ پا سکے، آپ نے رنگ و نور کی جو عمارت کھڑی کی۔ انسانی عظمت و وقار کا جو معیار بلند کیا آنے والوں نے اس کو جواہر پارا یوانوں سے کسبِ نور ضرور کیا خود بھی اس بلندی کو چھونا چاہا لیکن ان میں وہ طاقتِ پرواز نہ تھی۔ اس کی بلندیوں کے آگے وہ ٹھٹھر کر رہ گئے۔ فن کے ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی پر پہونچنا اتنا آسان تو نہیں، انہوں نے آپ کے نقوشِ راہ پر چلنا چاہا، آپ کی فکر آپ کے احساس اور تجربے کو رہنما بنایا اور گو آپ کی تیزیٔ فکر و نرمیٔ گفتار تک نہ پہنچ سکے تاہم آج اردو ادب بہت کچھ ان روایتوں کا رہین منت ہے جو آپ کے وجدان کا حاصل تھیں۔

میں سوچتا ہوں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو اردو شاعری کتنی مفلس اور کتنی نادار ہوتی۔ ایک غالب کہاں تک ترقی یافتہ زبانوں کے شعر و ادب کا مقابلہ کرتا۔ آپ نے عظیم پیش رو کی پیدا کی ہوئی راہوں کو عظیم شاہراہوں میں تبدیل

کر دیا۔ میر کا شیوۂ گفتار بھی تھا، غالب کی بلندیٔ فکر بھی۔ انیس کا پر جوش انداز بیان بھی تھا اور حالی کا بے پناہ خلوص بھی۔ لیکن ان سب بکھرے ہوئے لمحات کو ایک حسین پیکر میں تبدیل کرنا جس کی اپنی شخصیت بھی ہو اور آزاد وجود بھی۔ یہ آپ ہی کا حصہ تھا اور اسی لئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پچھلا ادب آپ کی آمد کی ایک تیاری تھا۔

نطشے کے الفاظ میں ایک ''عبور'' تھا۔ زمانہ ادب کے ایک فوق البشر کا منتظر تھا اور یہ سب اس آنے والے فوق البشر کے منتشر جلوے تھے۔ میر نے کہا تھا۔

سرسری ہم جہان سے گزرے
ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

آپ کو اس بات کا ملال نہیں، آپ نے تمام ممکن دریاؤں کی سیر کی اور پھر اس بلندی پر پہنچ گئے جہاں آپ نے محسوس کیا۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

آپ کو بہت پہلے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے چند ایک کلیوں پر قناعت کر لی ہے۔ آپ نے تنگیٔ داماں کا علاج دریافت کیا اور اپنے دامن کو کائنات کے گلہائے رنگا رنگ سے بھر لیا۔ جب حالی نے یہ کہا تھا۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

تو شاید اردو شاعری کے اس معصوم عارف کی نظر اردو شاعروں کے افق پر ایک ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھ رہی تھی جو صحیح معنیٰ میں اس کا اور اس کے روحانی استاد (غالب) کا سچا جانشین بننے والا تھا۔ وہ جانشین ہی کیا جو پہلے سرمائے میں اضافہ نہ کر سکے۔ یہ لکھتے لکھتے۔ مجھے خیال آیا کہ شاید آپ کے بعض کم فہم مداح، اور آپ سے میں یہ راز کی بات کہہ دوں کہ آپ کے مداحوں کی اکثریت کم فہموں پر مشتمل ہے، اس بات پر ناراض ہو جائیں کہ۔ رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے۔ کہنے والے شاعر کا میں نے آپ کو سچا جانشین بتلایا ہے مگر آپ اپنے مداحوں اور نکتہ چینیوں کی اس مشترک گمراہی کو تو ذرا دیکھئے کہ وہ جو آپ کی زندگی کا صرف ایک لمحہ تھا جو دراصل قوت حیات کی فراوانی کا نتیجہ تھا اُسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے اور آپ کی زندگی کے اس ایک لمحہ مختصر کو آپ کی ساری شعلہ زار اور شبنم ریز کیفیتوں پر طاری کر دیا۔ آپ کی ایک دنیائے نو کی تعمیر کے خواب کو صحیح رنگ میں نہ دیکھ سکے اور آپ کے جذبہ

واحساس کی باریکیوں کو نہ پا سکے۔ آپ بنیادی طور پر اس ''جہان کہنہ'' سے بیزار تھے اور اپنے لئے ایک ایسا جہاں تعمیر کرنا چاہتے تھے جو ''نو خیز'' ہو۔ حقیقتِ حاضر سے بے زاری اور ایک نئے مستقبل کے خواب، یہی تو ایک بڑے فن کار اور عارف کی امتیازی صفات ہیں۔ لیکن آپ کے ہم عصر اور آپ کے نکتہ چیں ''لمحات'' کا شکار تھے اور ان میں وہ بصیرت نہیں تھی کہ ایک دانائے راز شاعر کی اندرونی تڑپ کا مشاہدہ کر سکتے۔ تمنائیں جو اصلاً غیر زمانی تھیں، ایک زمانی روپ، اختیار کرنے کیلئے بے چین تھیں۔ آرزوئیں جو بنیادی طور پر غیر مکانی تھیں۔ ایک مکانی شکل حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھیں اور صرف اتنی سی بات تھی جسے دوستوں اور دشمنوں نے ایک افسانے کا روپ دیا اور وہ بات جس کا سارے فسانے میں ذکر نہیں تھا اسے ساری داستان کی جان بنا دیا گیا۔

آپ کو سیاست سے دلچسپی تھی، بے شک آپ بھی ایک جہانِ خواب کے خواہاں تھے مگر وہ سیاست جو جسم روح میں تفرقہ انداز ہو، جو حیاتِ انسانی کے آہنگ کو درہم برہم کر دیئے، اُسے آپ نے کب پسند کیا۔ آپ کا دل سب ہی انسانوں کی بے حسی، نا آشنائی اور نفاق انگیزی پر ملول تھا اور یہی کرب تو کبھی آپ سے یہ کہلوا دیتا ہے۔

جس کے پھولوں میں اخوت کی ہوا آتی نہیں
اس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لوگوں نے اس بات کو تو یاد رکھا کہ آپ نے ''وطنیت'' کے تصور کے خلاف آواز بلند کی اور کسی نے ایسی آواز بلند نہیں کی تھی لیکن اس بات کو شاید بھول گئے تھے کہ افلاک کی سیر میں بھی آپ کو اپنے وطن عزیز کی بدحالی کا خیال ستاتا رہا اور آپ نے سیرِ افلاک میں اپنے وطن کو ان الفاظ میں یاد فرمایا۔

تو نہ دانی خطۂ ہندوستان
اے عزیز خاطرِ صاحب دلاں

آپ کو ہندوستان کی روح مضطرب نظر آئی اور جہاں آپ نے ہندوستان کے سب سے بڑے فرزند، گوتم بدھ، سے فلک کے حسین مناظر میں ملاقات کی وہیں آپ نے وطن دشمنوں کو جہنم کے زیریں حصے میں کرب واضطراب کے عالم میں پایا اور وطن فروشوں کو ان الفاظ میں یاد کیا۔

''ننگ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

اپنی زندگی کے آخری دور میں بھی آپ نے ہندوستان کو ایک 'شوخ کرن' شوخ مثالی نگہ حور، کی صورت میں دیکھا اور یہ محسوس کیا کہ:

خاور کی نگاہوں کا یہی خاک ہے مرکز

اہل وطن کے نام آپ کا یہ پیغام آج بھی تعمیرِ نو کی کاوشوں میں ان کا رہنما بن سکتا ہے۔

مشرق سے ہو بے زار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

آپ کے اکثر مداحوں اور نکتہ چینوں نے اس بات کو تو یاد رکھا کہ آپ نے روحانی اقدار کی طرف انسانوں کو بلایا لیکن تصویر کے دوسرے اہم رخ کو انہوں نے نظر انداز کر دیا کہ آپ انسان کی مادی ترقی کے مخالف نہیں تھے ۔تسخیر فطرت میں سائنس کا جو حصہ ہے آپ اسے خوب سمجھتے ہیں ۔آپ کی خود آشنا نگاہیں اس کی ضرورت کو اچھی طرح محسوس کرتی ہیں اور آپ مشرق کے صنم خانوں میں اس لئے بیزار ہیں کہ یہاں زندگی کی صرف ایک ہی تصویر کی پرستش ہوتی ہے آپ نے صرف یہ کہا کہ زندگی اعلیٰ تر اقدار و مقاصد کی پابند ہو، شاید آپ اس تفریق کے مخالف ہیں جس نے جسم اور روح کے درمیان رخنہ ڈال دیا۔اسی کو دور کر کے آپ جسم و روح کی ہم آہنگی چاہتے ہیں اور زندگی میں ایک حسین توازن کے خواہاں ہیں۔آپ نے یہ کب کہا کہ مشینیں نہ ہوں، آپ نے تو یہ کہا تھا کہ مشینیں احساس مروت کو کچل نہ دیں۔آپ کے اکثر مداحوں اور نکتہ چینیوں نے آپ کے پیام کے ایک رخ کو اتنی اہمیت دی کہ دوسرا رخ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔نکتہ چینوں کو یہ بات یاد رہی کہ آپ نے جمہوریت کو ایک ایسا طرز حکومت کہا جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے ۔لیکن وہ یہ بات بھول گئے کہ آپ نے ہی یہ بشارت دی تھی۔

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

یہ تضاد نہیں تھا بلکہ آپ جمہوریت کی روح کے خواہاں تھے ۔آپ کے نزدیک معاشرے کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ ہر فرد انسانی کی اعلیٰ ترین روحانی ، اخلاقی اور مادی ترقی کے سامان فراہم کرے اور یہی اصل جمہوریت کا منشاء ہے ۔آپ نہ صرف یہ کہ اس کے مخالف نہیں تھے بلکہ اس تصور کے بڑے علم بردار تھے ۔آپ یہ چاہتے تھے کہ انسانی ہوس نے جن اعلیٰ تر حقیقتوں کو چھپا رکھا ہے اُن سے پردہ ہٹایا جائے اور وہ اسرار بے نقاب ہو جائیں ۔مشرق کے دوسرے عظیم شاعر اور آپ کے ہم عصر ٹیگور کی طرح آپ بھی آج کے سائنسی دور کے بنوارے اس کی تقسیم و تفریق میں انسانوں کے اتحاد کو ایک برتر و اعلیٰ روحانی تصور میں ہی مضمر پاتے ہیں ۔روح انسانی کے سکون کیلئے مادیت کو ایک ارفع و بلند روحانیت سے تب و تاب دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

آج کا مشہور مورخ فلسفی ٹائمن بی کم و بیش اسی نتیجہ پر پہونچا ہے۔یہ آپ کی پیش بینی تھی کہ اس کے خطروں

سے آگاہ ہو کر آپ نے عصر حاضر کے انسان کو اس حکمتِ فرنگ سے آگاہ کیا تھا جو پرستارِ مرگ ہے اور جس کی تیز دستی کے آگے فرشتۂ مرگ بھی دم توڑ دیتا ہے۔ کسی خاص طرزِ حکومت سے زیادہ آپ ایک ایسے انسان کی پیدائش کے منتظر ہیں۔

ہو جس کی نگہہ زلزلہ عالم افکار
اور آپ نے ہی یہ بھی تو کہا
وادیٔ عشق رہِ دور و درازست ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے عمداً آب ورنگِ شاعری سے گزر کر برہنہ گفتگی کو اپنا شعار بنایا کہ بھری دنیا میں آپ کو اپنے ''لالہ صحرا ستم'' ہونے کا احساس ناگوار بنانا پڑے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا یہی ''حسن لالہ صحرائی'' آپ کا مقصود نگاہ نہ تھا جسے آپ انسان کا زندگی میں پھیلانا چاہتے تھے۔

آپ کے بارے میں سب سے زیادہ لکھا گیا لیکن یہ جو آپ کے فن کی روح جمال ہے اسے بہت کم نے ہاتھ لگایا۔ آپ کے طاؤس ورباب آخر'' کی آخریت اور اولیت میں جو فن کارانہ امتزاج ہے اس پر کوئی شاعر نظر نہیں ڈالتا اور گستاخی معاف! آپ کہنے کو چاہے خود، طاؤس ورباب آخر' کہہ لیں لیکن حیاتِ جمہل کی یہ منزل اس کا رچاؤ کب آپ کے فن کا ساتھ چھوڑتا اور آج کے اردو ادب میں جو کچھ بھی حسن نظر اور رفعتِ خیال ہے وہ آپ ہی کی تو دین ہے۔ وہ جو ایک دنیائے نور وظلمت آپ کی نگاہوں کے سامنے تھی اس کو اجالے اور خاکستر میں دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلہ زار بنانے کیلئے آپ کے بعد کن نفسوں میں وہ رسائی اور کون اس ادائے قہاری و دلبری سے یہ آواز دے سکا کہ

از خواب گراں ، خوابِ گراں ، خوابِ گراں خیز
(از خوابِ گراں خیز)

☆☆☆

پروفیسر سید سراج الدین

۳۰ جنوری ۱۹۲۴ء ۔۔۔ ۱۵ جولائی ۲۰۰۶

پروفیسر سید سراج الدین کا شمار حیدرآباد کی ممتاز علمی و ادبی شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ ان کی صلاحیتیں خداداد تھیں۔ بزرگوں کی تربیت نے ان کو تراشا ہوا ہیرا بنا دیا۔ یہ زمانہ ریاست حیدرآباد کے عروج کا زمانہ تھا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کا فیض جاری تھا۔ ملک بھر کے اہل علم و فضل حیدرآباد میں موجود تھے۔ ایسے ماحول میں سراج الدین صاحب کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ انہوں نے جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۶۴ء میں انگریزی ادب میں ایم اے کیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی ہی میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا اور ۱۹۸۵ء میں پروفیسر کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔ جولائی تا اکتوبر ۸۵ء کشمیر یونیورسٹی سری نگر کے اقبال انسٹی ٹیوٹ میں ویزٹنگ پروفیسر رہے۔ سراج صاحب کم وبیش دس سال انگریزی کے بین الاقوامی شہرت یافتہ علمی رسالے اسلامک کلچر (Islamic Culture) کے جنرل ایڈیٹر بھی رہے۔ جامعہ عثمانیہ کی ملازمت کے دنوں میں ۱۹۵۶ء میں حکومت ہند کے وظیفے پر اٹلی جا کر اطالوی زبان سیکھی۔ اس سے پہلے جرمن اور فرنچ زبانوں میں ڈپلوما حاصل کر چکے تھے۔ سراج صاحب ان گنی چنی ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے ڈانٹے کی ڈوائن کامیڈی کو اطالوی زبان میں پڑھا تھا۔ انہوں نے ٹی۔ ایس ایلیٹ کی مشہور نظم ویسٹ لینڈ کا نہایت عمدہ اردو ترجمہ آزاد نظم کی شکل میں کیا تھا۔ ان کے کئی اردو انگریزی مضامین اقبال ریویو اور دیگر رسائل میں شائع ہوئے تھے۔ اردو اور انگریزی کے مضامین کے علاوہ (جن میں اردو انسائکلو پیڈیا کے لئے دو مقالے شامل ہیں) انہوں نے اقبال فیض اور قلی قطب شاہ کی بعض نظموں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

سراج صاحب کو اقبال کے کلام سے فطری لگاؤ تھا۔ وہ اقبال کے اردو اور فارسی کلام پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اقبال پر ان کی کتاب ''مطالعہ اقبال: چند نئے زاویے'' اپنے موضوع پر ایک منفرد اور وقیع کتاب ہے۔ پروفیسر سراج اقبال اکیڈیمی حیدرآباد کے ۱۹۹۳ء سے لے کر تیسرے صدر کی حیثیت فرائض انجام دیئے۔ اس کے علاوہ حیدرآباد کے کئی علمی اداروں سے وابستہ رہے۔ ان کے توسیعی خطبات اور صدارتی کلمات فکر انگیز ہوتے تھے۔ جاوید نامہ کا آزاد اردو ترجمہ ان کا آخری ادبی کارنامہ ہے۔

☆☆☆

پیکر جہد و عمل

محمد ظہیر الدین صدر اقبال اکیڈیمی

پروفیسر سید سراج الدین صاحب کے انتقال کے بعد 9 ستمبر 2006 کو اقبال اکیڈیمی کے ارکان کی ایک میٹنگ گلشن خلیل میں منعقد ہوئی۔ بالاتفاق آراء جناب محمد ظہیر الدین صاحب کا انتخاب بحیثیت صدر اقبال اکیڈیمی عمل میں آیا۔ ظہیر صاحب اقبال اکیڈیمی کے قیام کے بعد سے آج تک اکیڈیمی کے ایک خاموش مگر سرگرم کارکن رہے ہیں۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد سے آپ اپنا مستقل وقت اکیڈیمی کو دیتے ہیں۔ ظہیر صاحب نے اکیڈیمی کی بعض اہم کتابیں مرتب کی ہیں جن میں پروفیسر عالم خوندمیری کی معرکتہ الآراء کتاب اقبال ''کشش اور گریز'' بھی شامل ہے۔ اقبال ریویو کے کئی شمارے آپ کی کاوشوں سے شائع ہوئے ہیں جن کا شمار تحقیقی کارناموں میں کیا جاسکتا ہے۔ ظہیر صاحب نام ونمود کے مطلق قائل نہیں۔ جناب شاہد حسین زبیری کا لکھا ہوا یہ شخصی خاکہ اس شمارے میں نئے صدر کے رسمی تعارف کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس خاکے کی پروفیسر سراج نے بھی تعریف کی تھی (ادارہ)

ہوا کا رخ دیکھ کر اڑان بھرنا پانی کا بہاؤ دیکھ کر غوطہ لگانا راستے کے نشیب وفراز کا جائزہ لیکر اپنی راہ کا تعین کرنا صاحب ثروت اشخاص کی لئے میں لئے ملانا اور صاحب اختیار حضرات کی آواز پر لبیک کہنا آج کے دور کے زیادہ تر اشخاص کا شیوہ ہے مگر، اس دور میں کچھ ایسے بھی لوگ گاہے ماہے نظر آجاتے ہیں جنہیں اپنی منزل پر پہنچنے کیلئے نہ ہوا کا رخ نہ پانی کے بہاؤ اور نہ ہی راستوں کے نشیب وفراز کا جائزہ لینے کی حاجت لاحق ہوتی ہے، نہ یہ کسی کے سر میں سر ملاتے ہیں اور سوائے حق کی بات کے کسی اور بات پر لبیک نہ کہنے والے یہ لوگ صرف اپنے ضمیر کی آواز پر چلتے اور ان کی منزل صراط حق پر ہوتی ہے۔ ایسے لوگ دنیاوی معیارات سے ایک کامیاب زندگی تو نہیں گذارتے مگر حقیقتاً بڑے لوگ یہی ہیں۔ چلئے اسی قماش کے ایک شخص سے آج ملتے ہیں۔

صوفیانہ رنگ کا ڈھیلا ڈھالا پتلون بشرٹ یا سفاری سوٹ، کبھی چوڑے پائچوں کا لٹھے کا پاجامہ، کھادی کا کرتا اور صدری گھنگھر والے الجھے ہوئے بال جنہیں دیکھ کر آسانی سے احساس ہوجاتا ہے کہ ان کا رشتہ کنگھا، تیل اور نائی سے دور دراز کا بھی نہیں رہا، ہاتھ میں ایک چمڑے کا بستہ جو شاید ضرورت سے زیادہ وزنی ہے کیوں کہ یہ جس ہاتھ

میں بھی ہوتا اس طرف کا کندھا دوسری جانب کے کندھے سے ڈیڑھ دو انچ زیادہ جھکا نظر آتا ہے، یہ حلیہ اردو ادب کی جانی و مانی شخصیت اقبال اکیڈیمی کے نائب صدر اور روح رواں، ماہر اقبالیات، ریٹائرڈ ڈویژنل انجینئر الکٹرسٹی بورڈ ظہیر الدین صاحب کے علاوہ کسی اور کا نہیں، شاید اسی قسم کی شخصیات کے لئے اقبالؒ نے یہ شعر کہا تھا۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلا ہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

شاید یہی وجہ ہے کہ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی موڑ پر آنجناب کا اختلاف اپنے ہر قریبی دوست اور بزرگ سے ہوا ہے۔ خواہ مرحوم قائد ملت سید خلیل اللہ حسینی صاحب رہے ہوں یا جناب مولانا سلیمان سکندر صاحب یا محمد عبدالرحیم قریشی صاحب یا پھر آپ کے نہایت قریبی رفیق مرحوم مصلح الدین سعدی صاحب یا یہ ناچیز راقم تحریر، مگر لطف تو اس وقت دوبالا ہوتا ہے جب کسی جھگڑے کے بعد موصوف اس کا ذکر کسی دوست سے کرتے ہیں کبھی آبدیدہ ہو کر اور کبھی رقت آمیز انداز میں مگر اس شخص کی برائی نہیں کرتے جس سے جھگڑا ہوا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں فرماتے کہ میں کیسا خوش قسمت ہوں، مجھے کیسے چاہنے والے نصیب ہیں حالانکہ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا مگر میرے دوست نے برا نہیں مانا۔

دیانت داری سے کی جانے والی سرکاری ملازمت، ماشاءاللہ بھرا پڑا گھر بچوں کے اسکول اور کالج کے اخراجات، بیماریاں اور ان ضروری اخراجات سے ہٹ کر روزانہ اقبال اکیڈیمی جانے آنے کے اخراجات کا نتیجہ یہ کہ ایک عرصہ تک ظہیر الدین صاحب کے گھر میں ایک بھی بجلی کا پنکھا موجود نہ تھا، ہاتھ کے پنکھوں پر گرمیاں گذرتیں، بعد میں ایک الکٹریکل کنٹراکٹر جس کو موصوف کی نگرانی میں، کام ملا تھا اس نے ان کے گھر میں بجلی کے دو پنکھے لگوا دیئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظہیر صاحب پنکھا لگوانے والے کے خلاف ہو گئے۔ گھر پر بلایا اور الف تا والسلام شائستگی سے جس قدر نواز سکتے تھے نواز دیا وہ بھی بڑا ڈھیٹ نکلا اس نے کہا ''خفا کا نیکو ہوریں صاب قسطوں میں پیسے دے دینا، اتفاقاً میں بھی وہاں موجود تھا میں نے مخل ہو کر کہا وہ ٹھیک کہہ رہا ہے اس بہانے چلئے گھر میں گرمی کا سدباب تو ہو گیا، اقساط میں پیسے چکا دیجئے، پنکھوں کی قیمت دریافت فرمائی گھر کے اندر گئے اور سوا پنکھے کی قیمت اسی وقت ادا کر دی۔ پھر حساب کر کے فرمایا میری تنخواہ نو (۹) دن بعد ملے گی باقی پیسے آ کر لے جانا۔

ایک روز میں موصوف کے دفتر واقع منٹ کمپونڈ چلا گیا باتوں باتوں میں کسی بات پر مجھ سے کہنے لگے یہ آپ مجھے لکھ کر دے دیجئے، میں نے موصوف کی میز پر رکھا قلم اٹھایا اور کاغذ اپنی طرف کھینچا تھا کہ میری حرکت دیکھ کر کہنے لگے کیا کر رہے ہیں، یہ سرکاری کاغذ ہے، اسے ذاتی کام کیلئے استعمال نہیں کرتے اور پھر اپنا بستہ کھول کر کاغذ قلم

نکال کر میری طرف بڑھا دیا میں نے دریافت کیا ظہیر صاحب کاغذ قلم تو اپنا دے دیا مگر یہ وقت جس میں ہم غیر سرکاری باتیں کر رہے ہیں اس کا کیا؟ یہ تو سرکاری ہے اس کا آپ کے پاس کیا جواز ہے، سن کر کہنے لگے میں اوسطاً دو گھنٹے اپنے وقت سے زائد سرکاری کام کرتا ہوں، جس کا مجھے کوئی معاوضہ نہیں ملتا اس لحاظ سے قریباً پچاس گھنٹے مہینے میں، میں بلا معاوضہ کام میں مصروف رہتا ہوں اور سرکاری اوقات میں مہینے بھر میں میرے ذاتی کام یا گفتگو میں بارہ پندرہ گھنٹوں سے زائد خرچ نہیں ہوتے لہٰذا میں اپنے تئیں مطمئن ہوں، یہ ہے موصوف کی فطرت عالی،

بحیثیت نائب صدر اقبال اکیڈیمی انہوں نے اپنا یہ فریضہ بنا رکھا ہے کہ کم از کم مہینے میں ایک جلسہ اقبال پر ضرور ہو، جلسہ منعقد کرنے کے لئے چار چیزوں کی بڑی اہمیت ہے، جلسے کے دن ہال کی صفائی ستھرائی اور کرسیوں کا رکھنا، پھر جو موضوع قرار دیا گیا ہے، اس کے لئے کوئی مقرر اور صدارت کیلئے ایک صدر اور سامعین۔

بعض اوقات ہال کی صفائی ستھرائی کیلئے کوئی میسر نہ ہو تو بڑی خوش دلی سے ظہیر صاحب تنہا یہ کام کر لیتے ہیں اور کوئی صدارت کیلئے نہ ملے تو اس دن موصوف یہ کارنمایاں بھی انجام دے لیتے ہیں اور جس دن مقرر نصیب نہ ہو تو تقریر کی ذمہ داری بھی قبول کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ سب کچھ ہوتا اور سامعین ندارد تو بہت ہی سنجیدگی سے سامع کا فرض بھی ادا کر دیتے ہیں۔

ظہیر صاحب کی خوشی اس دن زیادہ ظاہر ہوتی جس دن سامعین سے ہال کھچا کھچ بھر جاتا مقررین بھی ہوتے اور صدارت کیلئے بھی کوئی موزوں شخص مل جاتا اس دن ظہیر صاحب انتہائی مسرور دکھائی دیتے، بحیثیت نائب صدر اقبال اکیڈیمی کبھی شہہ نشین پر تشریف فرما تے مگر ہائے رے دیکھتے اور جی میں خیال آتا شاید ان کے پاس دیا سلائی نہیں ہے، فوری اپنی جگہ سے اٹھ کر کسی سے دیا سلائی فراہم کر کے عالم صاحب کی مشکل آسان کر دیتے، کبھی محسوس ہوتا کہ سامعین تک آواز صاف نہیں پہنچ رہی ہے تو فوراً اپنی نشست سے اٹھ کر ہال کے کونے میں کھڑے ہو کر سنتے کہ آواز یہاں تک پہنچ رہی ہے یا نہیں، اور پھر مائیک پر آ کر اسے درست کرنے لگتے، کبھی دیکھتے کہ ہال میں کوئی پنکھا چل نہیں رہا ہے تو فوری ایک ٹیبل فیان کا انتظام کر دیتے، المختصر موصوف کو کبھی شہ نشین پر سکون سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔

انہیں اقبال اکیڈیمی کے لئے کتابیں جمع کرنے کا جنون سا ہے کہیں سے اطلاع ملتی کہ فلاں شخص کے پاس چار کتابیں ہیں جو وہ کسی ادارے کو نذر کرنا چاہتا ہے تو یہ ہرگز نہ سوچتے کہ اس کا مکان کتنے فاصلے پر ہے، چار کتابیں اقبال اکیڈیمی کے لئے حاصل کرنے چالیس کوس کا سفر کرنا جناب والا کے لئے کار محال نہ ہوتا، آج اسی کا نتیجہ ہے کہ ماشاء اللہ اقبال اکیڈیمی کے پاس پینتیس ہزار سے زائد کتب موجود ہیں اور الحمد اللہ آج حیدرآباد کی اقبال

اکیڈیمی دنیا کے کسی بھی کونے میں قائم اقبال اکیڈیمی سے کم نہیں۔

میں اس کی کامیابی کا سہرا صرف ظہیر الدین صاحب کے سر نہیں باندھ رہا اکیڈیمی کو اس بلندی تک لانے میں کئی اشخاص نے اپنا خون پسینہ صرف کیا ہے چند اہم قابل ذکر ہیں۔ محترم جناب سید خلیل اللہ حسینی مرحوم، موجودہ صدر تعمیر ملت عبدالرحیم قریشی صاحب، مرحوم مصلح الدین سعدی صاحب، زکریا شریف صاحب، پروفیسر عالم خوندمیری صاحب مرحوم، پروفیسر سراج الدین صاحب وغیرہ۔

مگر جو مجنونانہ تعلق ظہیر صاحب کا اکیڈیمی سے رہا ہے، وہ شاید کسی اور کا رہا ہو اگر چہ راقم تحریر نے بھی اکیڈیمی کو کئی اہم کتابیں دلوائی ہیں۔ اس کے باوجود گر مجھے کسی کتاب کی ضرورت لاحق ہو تو مجھے بھی رجسٹر میں اپنا نام درج کئے بغیر کتاب میسر نہیں ہوسکتی۔

عرصہ قبل مجھے کہیں سید ضمیر جعفری کی نظم ''کلرک نامہ'' پڑھنے کا اتفاق ہوا جس سے استفادہ کرتے ہوئے ناچیز نے ایک ظہیر نامہ لکھا ہے'' ملاحظہ ہو۔

اللہ نے جب ازل میں بنایا ظہیر کو — اقبال کا ہی درس پڑھایا ظہیر کو
جاوید نامہ ، بانگ درا سب پڑھا دیا — اقبال کے کلام کا عاشق بنا دیا
پھر فیصلہ کیا کہ اتارو زمین پر — اقبال اکیڈیمی لکھا ان کی جبین پر
نام خدا ظہیر میاں جب جواں ہوئے — اقبال اکیڈیمی کے یہ روح رواں ہوئے
پھر ڈائس پر اٹھایا بٹھایا ظہیر کو — اقبال یوں کے بیچ پھنسایا ظہیر کو
اقبال کی ڈگر کے علمدار ہوگئے — مونسپلٹی کے روڈ پہ بیکار ہوگئے
ابلیس راستے میں ملا ور غلا دیا
برقی کے بورڈ کا انہیں رستہ دکھادیا

آج کل ظہیر صاحب کچھ تھکے تھکے سے نظر آتے ہیں میری اللہ تبارک تعالی سے دعا ہے کہ انہیں صحت وتندرستی کے ساتھ اقبال اکیڈیمی کی خدمت پر مامور رکھے۔ آمین ثم آمین

ظہیر صاحب پر حسرت موہانی مرحوم کا یہ شعر صادق آتا ہے

غیر کی جدوجہد پر تکیہ نہ کر کہ ہے گناہ
کوشش ذات خاص پر ناز کر اعتماد

☆☆☆☆☆

حیدرآباد میں اقبالؔ پر مطبوعات

حیدرآباد میں اقبالؔ پر جتنا اور جیسا کام ہوا وہ کمیت اور کیفیت دونوں میں بہت گراں قدر ہے۔ اس کی ہمیشہ زندہ رہنے والی مثالیں وہ مطبوعات ہیں جو تقسیم ملک سے بہت پہلے حیدرآباد کے اور حیدرآباد میں رہنے والے اہل قلم نے لکھی ہیں۔ اس ذخیرہ میں تخلیقات کے علاوہ مستقل تصانیف بھی ہیں۔ اور منتشر مضامین بھی۔ مرتبین اور مصنفین کی صف میں مشہور انشاء پرداز، اساتذہ اور طالب علم نظر آتے ہیں۔

(اقبالؔ اور حیدرآباد دکن مرتبہ نظر حیدرآبادی ص ۵۰)

مطبوعات کی فہرست ۱۹۴۸ء سے پہلے

۱	عبدالرزاق راشد	مرتب	کلیات اقبالؔ	۱۹۲۳ء
۲	آقا سید محمد علی		اقبالؔ پر فارسی مقالہ	۱۹۲۸ء
۳	میر حسن الدین	مترجم	فلسفۂ عجم	۱۹۳۶ء
۴	تصدق حسین تاج	مرتب	نظم اقبالؔ	۱۹۳۷ء
۵	خواجہ حمید الدین شاہد	مرتب	سب رس اقبالؔ نمبر	۱۹۳۸ء
۶	ڈاکٹر مولوی عبدالحق	مدیر	اردو اقبالؔ نمبر	۱۹۳۸ء
۷	تصدق حسین تاج	مرتب	نظم اقبالؔ سفر حیدرآباد	۱۹۳۸ء
۸	---	--	نظم سپاسی جناب امیر	۱۹۳۸ء
۹	--	--	تبرکات اقبالؔ	۱۹۳۹ء
۱۰	ابوظفر عبدالواحد	--	متاع اقبالؔ	۱۹۳۹ء
۱۱	ابومحمد مصلح		قرآن اور اقبالؔ	۱۹۴۰ء
۱۲	میر حسن الدین	مترجم	ختم نبوت اور قادیانیت	نامعلوم
۱۳	محمد کمال خان	مرتب	اقبالؔ کا قرآنی پیام	۱۹۴۰ء
۱۴	ڈاکٹر یوسف حسین خان	مرتب	روح اقبالؔ	۱۹۴۲ء
۱۵	محی الدین قادری زور	مرتب	شاد اقبالؔ	۱۹۴۲ء

۱۶	مشتاق احمد چشتی	مرتب	اقبال کے خطوط جناح کے نام	۱۹۴۳ء
۱۷	ڈاکٹر رضی الدین صدیقی		اقبال کا تصور زماں و مکاں	۱۹۴۴ء
۱۸	ڈاکٹر غلام دستگیر رشید		آثار اقبال	۱۹۴۴ء
۱۹	ڈاکٹر میر ولی الدین		رموز اقبال	۱۹۴۴ء
۲۰	سید عبدالواحد معینی		اقبال فن اور فکر (انگریزی)	۱۹۴۴ء
۲۱	انعام اللہ خان	مرتب	خطبۂ صدارت از علامہ اقبال ۱۹۳۰ء	۱۹۴۴ء
۲۲	اشفاق حسین		مقام اقبال	۱۹۴۵ء
۲۳	ڈاکٹر غلام دستگیر رشید		فکر اقبال	۱۹۴۵ء
۲۴			حکمت اقبال	۱۹۴۵ء
۲۵	شاغل فخری		تصورات اقبال	۱۹۴۵ء
۲۶	حسن الاعظمی		الحیات وموت فی فلسفہ اقبال	۱۹۴۶ء
۲۷	عزیز احمد		اقبال نئی تشکیل	۱۹۴۷ء
۲۸	بزم اقبال حیدرآباد دکن		مرقع اقبال	۱۹۴۸ء

۱۹۴۹ء کے بعد

۲۹	محمد احمد خان	اقبال کا سیاسی کارنامہ	۱۹۵۲ء
۳۰	ڈاکٹر محمد ظہیر الدین الجامعی	اقبال کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی	۱۹۵۲ء
۳۱	ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ	اقبال سخن	۱۹۵۳ء
۳۲	ڈاکٹر غلام عمر خان	روح اسلام اقبال کی نظر میں	۱۹۶۴ء
۳۳	ڈاکٹر بی گوپال ریڈی	اقبال کو یتلو (تلگو)	۱۹۶۴ء
۳۴	ابوعبداللہ محمد	اقبال اسلامی پس منظر میں	۱۹۶۵ء
۳۵	ڈاکٹر غلام عمر خان	اقبال کا تصور خودی	۱۹۶۶ء
۳۶	سید محمد ابراہیم نہری	حضرت اقبال کا نعتیہ کلام	۱۹۶۸ء
۳۷	ڈاکٹر غلام عمر خان	اقبال کا تصور عشق	۱۹۷۳ء

۳۸	اشفاق حسین		اقبال اور انسان	۱۹۷۴ء
۳۹	مضطر مجاز	مترجم	طلوع مشرق (منظوم ترجمہ)	۱۹۷۵ء
۴۰	قدیر امتیاز		اقبال اور عظمت آدم	۱۹۷۵ء
۴۱	ڈاکٹر غلام عمر خان		عورت اقبال کی نظر میں	۱۹۷۶ء
۴۲	مضطر مجاز		ارمغان حجاز (منظوم ترجمہ)	۱۹۷۷ء
۴۳	ڈاکٹر عالم خوندمیری و ڈاکٹر مغنی تبسم	مرتبین	فکر اقبال	۱۹۷۷ء
۴۴	عقیل الرحمٰن عقیل		نذر اقبال	۱۹۷۷ء
۴۵	ڈاکٹر نوری		ڈاکٹر اقبال سے ادب کے ساتھ	۱۹۷۹ء
۴۶	میر ولایت علی		تبویب کلام اقبال	۱۹۷۹ء
۴۷	ساجدہ ادیب		اقبال بحیثیت فلسفی (انگریزی)	۱۹۸۲ء
۴۸	امۃ الکریم		اقبال کی قومی شاعری	۱۹۸۳ء

اقبال اکیڈیمی (حیدرآباد) کی مطبوعات

۴۹	نواب میر محمد علی خان ٹائرو	مترجم	شکوہ اور جواب شکوہ (انگریزی)	۱۹۷۳ء
۵۰	ڈاکٹر رحیم الدین کمال		خطبہ استقبالیہ صدی تقاریب	۱۹۷۳ء
۵۱	کریم رضا و مظہر لطیفی	مرتبین	اقبال کا ذہنی سفر	۱۹۷۹ء
۵۲	سید مصلح الدین سعدی و محمد ظہیر الدین احمد	مرتبین	اقبال یات ماجد	۱۹۷۹ء
۵۳	محمد ظہیر الدین احمد	مرتب	تھری آر ٹیکلس آف اقبال	۱۹۷۹ء
۵۴	سید مصلح الدین سعدی	مرتب	اقبال یات باقی	۱۹۸۰ء
۵۵	مضطر مجاز	مترجم	جاوید نامہ (منظوم ترجمہ)	۱۹۸۱ء
۵۶	اقبال	مترجم	شکوہ جواب شکوہ	۱۹۸۱ء
۵۷	عبدالحلیم	مترجم	مسجد قرطبہ (منظوم ترجمہ)	۱۹۸۱ء
۵۸	سید مصلح الدین سعدی	مرتب	چشمۂ آفتاب	۱۹۸۲ء

۵۹	سید شکیل احمد	--	۱۹۸۵ء	اقبال کشش اور گریز ڈاکٹر عالم خوندمیری کے اقبال پر مضامین
۶۰	شکیل احمد		۱۹۸۵ء	اقبال نئی تحقیق
۶۱	کریم رضا		۱۹۸۶ء	مقالات عالمی اقبال سیمینار ۱۹۸۶
۶۲	وجیہ الدین احمد		۱۹۸۶ء	سوینئر ۱۸ تا ۲۱ اپریل ۱۹۸۶
۶۳	پروفیسر صلاح الدین		۱۹۹۱ء	افکار تازہ
۶۴	شاہ محی الدین		۱۹۹۲ء	شاعر مشرق علامہ اقبالؒ
۶۵	---		۱۹۹۳ء	اقبال اکیڈیمی حیدرآباد مشاہیر کی نظر میں
۶۶	---		۱۹۹۴ء	سیمینار اقبال ایسٹ اینڈ ویسٹ (انگریزی)
۶۷	سید سراج الدین		۱۹۹۴ء	اقبال پر دو لکچر (انگریزی)
۶۸	مظفر مجاز		۱۹۹۶ء	پیام مشرق
۶۹	یعقوب شمیم		۱۹۹۷ء	اقبال اور تحریکِ آزادئ ہند
۷۰	یوسف حسین خان		۱۹۹۸ء	روح اقبال
۷۱	اختر سلطانہ		۲۰۰۱ء	آؤ بہادر یار جنگ سے ملیں
۷۲	صالحہ الطاف		۲۰۰۱ء	آؤ اقبال سے ملیں
۷۳	فوزیہ شفیع اللہ		۲۰۰۱ء	نبی اکرم بحیثیت مصلح اعظم
۷۴	ایم ایم تقی خان		۲۰۰۲ء	اقبال کا سائنسی منہاج فکر
۷۵	عبدالرحمٰن ظفر		۲۰۰۳ء	قرآن اور ماحولیات
۷۶	میر انیس الدین		۲۰۰۴ء	Scientific facts in the glorious quran
۷۷	ڈاکٹر یوسف اعظمی		۲۰۰۵ء	اقبال جہان نو کی تلاش میں
۷۸	ایم ایم تقی خان		۲۰۰۵ء	انسان اور کائنات
۷۹	سید سراج الدین		۲۰۰۷ء	جاوید نامہ
۸۰	سید سراج الدین		۲۰۰۷ء	Understanding Iqbal

۸۱	محمد عمر علی خان	Islamic Enlightenment for every day	۲۰۰۷ء
۸۲	عزیز احمد	اقبال نئی تشکیل	۲۰۰۸ء
۸۳	ایم اے صدیقی	مسلم سائنٹسٹ (انگریزی)	۲۰۰۸ء
۸۴	ایم اے صدیقی	مسلم سائنسداں	۲۰۰۸ء
۸۵	محسن عثمانی ندوی	وے مجھکو زباں اور	۲۰۰۹ء
۸۶	راج موہن گاندھی (ترجمہ: ڈاکٹر یوسف کمال)	اقبال ایک مرد آفاقی	۲۰۰۹ء
۸۷	ڈاکٹر غلام دستگیر رشید	اسلامی تہذیب کیا ہے	۲۰۱۰ء

☆☆☆☆☆

''قصر سلطانی یعنی بادشاہ کا محل بھی بلند ہوتا ہے اور پہاڑ بھی قصر سلطانی کا گنبد بادشاہوں کے جاہ وجلال کی طرف اشارہ کرتا ہے جب کہ پہاڑوں کی بلندی خالق کائنات کی تخلیق کا مستحکم ثبوت ہے ۔شاہین کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ سلطانوں کے بنائے ہوئے بلند اور شان وشوکت والے گنبدوں کو اپنا نشیمن نہ بنائے ۔عظیم الشان بلند پہاڑ اس کے ذوق کے لئے بہترین مقام ہیں ۔قصر سلطانی پر آشیانہ میں غلامی کا خوف ہے اور بلند پہاڑوں کی فضا آزاد ہے جو شاہین کی بلند پروازی کے موافق ہے۔''

نظر حیدرآبادی

حیدرآباد میں

پہلا یومِ اقبال

اہل حیدرآباد اس امتیاز کے بھی حامل ہیں کہ انہوں نے اقبال کی زندگی میں ''یوم اقبال'' منانے میں پہل کی۔ میری نظروں میں آج سے بیس ۲۰ سال پہلے کا حیدرآباد گھوم رہا ہے۔ دریادل، علم دوست اور فقیر منش امیروں کا حیدرآباد، درمیانہ طبقے کے خوش پوش کج کلاہوں کا حیدرآباد، امارت گزیدہ مولویوں اور گوشہ نشین علماء کا حیدرآباد، ہندو مسلم اتحاد کے نقطۂ عروج پر ستارہ کی طرح چمکنے والا حیدرآباد۔ اسی حیدرآباد نے مشرق کے سب سے بڑے انقلابی شاعر اور حکیم کو کس پروقار اور والہانہ انداز میں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ یہ منظر زندگی بھر نہیں بھلایا جاسکتا۔

۹ر جنوری ۱۹۳۸ء کی خنک صبح اس طرح طلوع ہوئی کہ باغ عامہ کے پُرسکون اور خاموش ماحول میں ہلچل سی مچ گئی۔

نو بجتے بجتے پا پیادہ چلنے والوں، سائیکل سواروں اور لمبی لمبی رنگ برنگی موٹروں کا ایک جلوس ٹاؤن ہال (باغ عامہ) کی طرف رواں دواں نظر آنے لگا۔ وردی پوش سپاہی راستوں کے انتظامات پر مامور تھے۔ لوگ جوق در جوق ٹاؤن ہال کے اندر داخل ہو رہے تھے تاکہ آرام دہ کرسیوں پر بیٹھنے کی جگہ حاصل کرسکیں۔ ہال بھر گیا۔ ہال کے اوپر کی گیلریاں بھر گئیں حتی کہ دروازوں اور کھڑکیوں پر مجمع نے قبضہ کرلیا۔ انسانوں کا ایک طوفان تھا کہ امڈا چلا آتا تھا۔ اتنا بڑا اجتماع کہیں اور ہوتا تو شاید کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی لیکن یہاں سنجیدگی تھی پروقار سنجیدگی، شائستگی تھی، ایسی شائستگی جسے مشرقی تمدن کی آخری علامت کہا جاسکتا ہے۔ یہاں تماشائی کم تھے اہلِ نظر زیادہ۔ پورے ماحول پر کسی شاہی دربار کا سا جلال طاری تھا۔ حالانکہ یہ دربار ایک درویش خدامست کا تھا۔ اس مردِ قلندر کا جس کی قدآدم تصویر اسٹیج پر کرسی صدارت کے پیچھے رکھی ہوئی تھی۔ سارے مجمع کی آنکھیں اس تصویر پر لگی ہوئی تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ تصویر اب بولنے ہی والی ہے۔ سب گوش برآواز تھے۔ اتنے میں سیٹیاں بجنے لگیں۔ یہ اعلان تھا کہ اس محفل کے صدر آپہنچے۔ سارا مجمع ایستادہ ہوگیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسٹیج لال، پیلی، ہری اور سفید دستاروں اور سادہ و پرکار شیروانیوں اور ان کے وسط میں چمکنے والے بگلوں اور پٹیوں سے بھر گیا۔ لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ

گئے۔ قرآن خوانی کے بعد فخر یار جنگ (صدر مسلم کلچر سوسائٹی) نے تحریکِ صدارت کی اور نظام دکن کے ولی عہد شہزادۂ برار نے مخصوص شاہانہ انداز میں کرسی صدارت سنبھالی۔ گویا ایک قلندر کی مجلس میں شاہ وگدا کا مرتبہ ایک ہوگیا۔ اقبال کے حضور حیدرآباد کے اہل علم کے اظہار عقیدت کا یہ انداز ممکن ہے۔ آج کچھ غیر ترقی پسندانہ معلوم ہو لیکن ۱۹۳۸ء اور اس سے پہلے حیدرآباد میں اتنا بڑا اعزاز کبھی کسی کو نہیں حاصل ہوا۔ فرنگی مدنیت، کی فتوحات کا آئندہ ہونے والا ''یار وفادار'' سیاستِ افرنگ کے سب سے بڑے باغی شاعر کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کر رہا تھا۔

''یہ امر میری انتہائی مسرت کا باعث ہے کہ آج میں اس تقریب میں بذاتِ خود شریک ہوں، جو آپ مشرق کے مایۂ ناز شاعر سر محمد اقبال کی ادبی اور فلسفیانہ خدمات پر حیدرآباد کی طرف سے اظہار استحسان کے لئے منعقد کر رہے ہیں۔ اقبال نے اپنے فارسی اور اردو کلام کے ذریعہ مشرق میں موجودہ نسل کی ذہنیت کو متاثر کیا ہے بجا طور پر وہ دنیا کا ایک بہت بڑا مفکر اور مصنف مانا جاتا ہے اور بحیثیت شاعر وہ بنی نوع انسان کے لئے ایک پیغام کا حامل ہے۔ یہی وہ خصوصیات ہیں جن کا حیدرآباد اعتراف کر رہا ہے۔

خواتین وحضرات میں اس تقریب کی کامیابی کا دل سے متمنی ہوں''۔

شہزادۂ برار کی مختصر سی افتتاحی تقریب کے بعد سر اکبری حیدری نے بحیثیت امیر جامعہ عثمانیہ اقبال کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کے بعد حسب ذیل پیغامات سنائے گئے۔

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور

ہندوستان کے شاعرِ اعظم کے ''یوم'' منانے میں میری مسرتیں بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ مجھے عمر بھر اس بات کا افسوس رہے گا کہ میں اقبال جیسے شاعر اعظم کا کلام اردو اور فارسی زبانوں سے ناواقفیت کی وجہ سے اصلی وادبی حسن کارانہ روپ میں نہ دیکھ سکا۔ خدا اقبال کو قوم اور ملک کی خدمت کیلئے زندہ وسلامت رکھے۔''

مسز سروجنی نائیڈو

میں اپنے بہترین دوست اقبال کو ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کا عظیم ترین شاعر سمجھتی ہوں۔ اس شاعر کے اردو اور فارسی شعری کارنامے ہندوستانی قوم کے زبردست رہبر ورہنما ثابت ہوں گے۔''

پنڈت جواہر لال نہرو

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شاعر اعظم کے نغموں کی وجہ سے موجودہ نسل زبردست متاثر ہوئی۔ اقبال کی خداداد قابلیت کا ہر شخص معترف ہے۔ ''یوم اقبال'' کی کامیابی کی توقع پر مسرت کا اظہار کرتا ہوں۔

ہز ہائینس آغا خان

اقبال جو اردو اور فارسی زبانوں کا مایۂ ناز شاعر اعظم ہے اس کا یوم منا کر آپ نے اسلامی تہذیب کو درخشاں کر دیا۔ اقبال کی شاعری میں ہندوستانی قومیت کے راز پوشیدہ ہیں۔

ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال

مجھے مسرت ہوئی کہ یوم اقبال ہز ہائینس پرنس آف برار ولی عہد خانوادۂ آصفی کی صدارت میں منایا جا رہا ہے۔ اقبال کے نغموں میں ہندوستانی قومیت کے راز مضمر ہیں۔ اس فلسفی شاعر نے اہل ہند کو خواب غفلت سے چونکا کر ان میں احساس بیداری پیدا کر دیا۔

ہز ہائنس نواب صاحب رام پور

''اقبال ڈے'' کے شاندار موقع پر مجھے مبارک باد کہنے کی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ اس شاعر اعظم نے اُردو فارسی شاعری کے علاوہ فلسفہ کی جتنی خدمت انجام دی ہے اس کا اعتراف ہر شخص کو ہے۔''

سر سکندر حیات خان

''میں انتہائی مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ شاعر اعظم کا یوم ہز ہائینس پرنس آف برار کی صدارت میں شاندار طریقہ سے منایا جا رہا ہے۔ اس فلسفی شاعر کے پرستاروں کی بہترین توقعات مسلم کلچر سوسائٹی سے وابستہ ہیں۔

لاتعداد پیامات میں سے چند منتخب پیام نقل کر دیئے گئے ہیں تاکہ جلسہ کی اہمیت اور انتظام واہتمام کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکے۔ پیامات کے بعد ڈاکٹر عبداللطیف نے اقبال پر انگریزی میں تقریر کی اور اقبال کے موضوعات شعر اور مشرقی تمدنی روایات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اقبال کا کلام نہ خالص شاعری کا روپ رکھتا ہے نہ نرے فلسفہ کا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس نے عرفان عمرانی کے مرکب کی شکل پائی ہے۔ عرفان عمرانی کی ترکیب کی وضاحت انہوں نے یہ کی تھی کہ اقبال کا عالمی تصور، زندگی کے جس پیام جاوید کی طرف اشارہ کر رہا ہے وہ ہمیشہ سے روح فطرت میں کارفرما رہا ہے اور بنی نوع انسان کی حیات مدنی کیلئے ایک ایسے مطمح نظر کو متعین کرتا ہے جسے آج کی دنیا میں ہر جگہ فراموش کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر عبداللطیف کے بعد ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے اقبال کے محاسن شعری پر مقالہ پڑھا اور ثابت کیا کہ تخیل اقبال نے فکر کی جولانیوں کے لئے ایسے میدان کھول دیئے ہیں کہ جن کی طرف اس سے پہلے اردو شاعروں

کی توجہ منعطف نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ اقبال نے لفظی چٹکلوں اور دور راز کار محاورہ بندیوں سے اردو شاعری کو نجات دلائی اور ان کی جگہ حقائق کی تمثیلوں اور سیاسیات حاضرہ کے مشکل مسائل کو اس خوبی سے شاعری کا جامہ پہنایا کہ اب اردو شاعری کے موضوعات ہی بدل گئے اور شاعری واقعی ساحری بن گئی۔

اکبر وفا قانی نے کلام اقبال کے حسن کارانہ پہلو پر ایک دلچسپ تقریر کی۔ ان کی تقریر کا عنوان ذرا انوکھا اور چونکا دینے والا تھا۔ اکبر صاحب کا خیال ہے کہ شاعری حسن کاری کا سب سے بلند مظہر ہے اور شاعر حسن کاری کا مبالغہ، شاعر ایک ایسا حسن کار ہوتا ہے جو رنگ و موقلم، سنگ و تیشہ اور رباب و مضراب کی بجائے الفاظ اور قلم کو تخلیق کا ذریعہ بناتا ہے اس لئے جتنا بڑا شاعر ہوگا اتنا ہی بڑا حسن کار ہوگا۔ شاعری کو جب حسن کارانہ نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے تو شعر ایک رنگین تصویر، خوب صورت مجسمہ اور دل کش نغمہ بن جاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اقبال کے کلام کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ اقبال نہ صرف اردو اور فارسی کا بڑا شاعر ہے بلکہ وہ ہندوستان کا سب سے انوکھا حسن کار بھی ہے۔ اور اس کی حسن کاری میں مغربی پرتو کے ساتھ ساتھ مشرقی خوبیاں اور مسلم زہنیت کی رنگارنگی بھی ملتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اقبال کی بہت سی ایسی نظموں کو مثال پر پیش کیا تھا جن چھوٹے اور بڑے کینوس پر شاعر نے لفظوں کے ذریعہ بھرا تھا۔

یوم اقبال کی پہلی نشست میں مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی نے بھی ایک پُر مغز مقالہ پڑھا تھا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ باوجود کوشش کے اس کی نقل حاصل نہ کی جا سکی۔ ان مقالوں کے علاوہ جن شعراء نے اقبال پر نظمیں پڑھی تھیں۔ اب ہم یوم اقبال کی دوسری نشست کی روداد پیش کرتے ہیں۔

دوسری نشست سہ پہر میں منعقد ہوئی تھی۔ حاضرین کی تعداد صبح کے اجلاس سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ اس کی دو وجوہ تھیں ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس جلسہ کی صدارت اقبال کے ایک قدیم مداح اور دوست مہاراجہ کشن پرشاد کرنے والے تھے۔

دوسری وجہ اور اہم وجہ یہ تھی کہ اس جلسہ میں مسلمانوں کے محبوب قائد نواب بہادر یار جنگ کی تقریر ہونے والی تھی۔ اہل حیدرآباد نے اقبال کے مرد مومن کو بہادر یار جنگ کی ذات میں چلتا پھرتا دیکھا تھا۔ گفتار کے تو وہ غازی تھے ہی لیکن ان کا کردار بھی قرون اولی کے مسلمانوں کے سوا کہیں اور نظر نہیں آتا۔ کلام اقبال کی تشریح اور توضیح اور وہ بھی بہادر یار جنگ کی زبان سے، عجیب کیفیت طاری تھی، عجیب درد و سوز اور مدہوشی کا عالم تھا کہ جس کے بیان کیلئے زبان میں یارا نہیں۔ اسی عالم کیف و سرور کی وجہ سے نواب صاحب کی وہ یادگار اور شاہکار تقریر محفوظ نہ کی جا سکی۔ ہاں سننے والوں کے دلوں میں اس کی ایک خوش گوار یاد باقی رہ گئی ہے۔ نواب بہادر یار جنگ کی تقریر

کے علاوہ ڈاکٹر یوسف حسین خان اور مخدوم محی الدین نے بھی اس جلسہ میں مقالے پڑھے تھے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان کا مقالہ ہمارے خیال میں خاکہ تھا اس اہم کتاب کا جو بعد میں 'روح اقبال' کے نام سے شائع ہوئی اور جس کے مطالعہ کے بغیر اقبالیات پر کوئی کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ''روح اقبال پر ہمارا تبصرہ'' اقبال پر مطبوعات، میں دیکھا جا سکتا ہے۔

دوسرے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مہاراجہ کشن پرشاد نے اپنے خطبے کا آغاز ان جملوں سے کیا تھا۔

''اردو شاعری کے 'جنم بھوم'' میں آج کا دن ایک یادگار دن ہے کیوں کہ آج ہم سر اقبال جیسے مشہور اور مقبول شاعر کی خصوصیات کی داد وتحسین کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ مجھے اس کی مسرت ہے کہ آپ نے اس جلسے کے دوسرے اجلاس کی صدارت کا اعزاز مجھے عطا کیا ہے۔ میرے سر اقبال سے ذاتی تعلقات بھی ہیں۔ یہی تعلقات مجھے اپنی کم نظری کے باوجود اس کا مستحق ٹھہراتے ہیں''۔

خطبۂ صدارت کے اگلے حصوں میں اردو شاعری کے ماضی کا حال بیان کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ ہمارے عہد گزشتہ کی شاعری فنی نقطۂ نظر سے کتنی ہی کامیاب سہی لیکن اس نے ہماری حیات، اجتماعی طور پر اچھا اثر نہیں ڈالا۔ اور ہمارا سرمایہ شعری ''جمالیاتی'' اور حزنی کیفیات تک محدود ہے لیکن ہندوستانی میں شعری انقلاب کا باعث اقبال کا کلام ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقبال آج جس بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے وہ اس کا جائز حق ہے۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ ظلم ہوتا اگر مشرق کے اس عظیم شاعر کی زندگی میں ہم اسے خراج عقیدت نہ پیش کرتے اور اہل ملک اقبال کا وہ قرض ادا نہ کر دیتے جو ادبی اور علمی حیثیت میں ان پر واجب تھا۔

مہاراجہ کے خطبۂ صدارت کے بعد مخدوم محی الدین نے بعنوان ''مجاہد اقبال'' مقالہ پڑھا۔ خاص خاص باتیں یہ تھیں کہ اقبال کے کلام کے کئی پہلو ہیں۔ اسی مناسبت سے ان پر بحث کی جاتی ہے اور انہیں پہلوؤں میں سے ایک پہلو جہاد ہے۔ اقبال کے پیش نظر اجتماعی اور انفرادی سیرت کا ایک مخصوص تصور ہے اور جب بھی وہ کسی کو اپنے نصب العین سے ہٹا ہوا پاتا ہے تو اس کے خلاف اعلان جہاد کرتا ہے۔

چپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

مخدوم کی رائے میں یہی مجاہد کی تعریف ہے۔ ان کے خیال میں یہی بندۂ گستاخ کہیں اقبال، کہیں مردِ مومن، کہیں قلندر اور کہیں مردِ کامل کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور دنیا کی تاریخ میں یہ مردِ مجاہد ہر عہد کے سماجی حالت کے مطابق کبھی مصلح، کبھی مدبر کبھی شاعر، کبھی پیغمبروں کے روپ میں جلوہ گر ہوا ہے۔ وہ حق پرست اور باطل شکن ہوتا

ہے۔ وہ اپنے بیگانوں میں امتیاز نہیں کرتا۔ وہ فرعون کیلئے موسیٰ اور لات وہبل کیلئے محمدؐ ہے۔

یہ مقالہ کافی طویل تھا لیکن شگفتہ انداز بیان کی وجہ سے بہت پسند کیا گیا۔ اب ہم وہ نظمیں پیش کرتے ہیں جو 'یوم اقبال' میں پڑھی گئیں۔ یہ علی الترتیب مخدوم محی الدین، سکندر علی وجد، اور صاحبزادہ میکش مرحوم کی ہیں۔

مخدوم سے آپ متعارف ہو چکے ہیں۔ سکندر علی وجد کا شمار اردو شاعری کی جدید نسل کی صفِ اول میں کیا جاتا ہے۔ اقبال کی شاعری سے وہ اس درجہ متاثر رہے ہیں کہ اقبال کو اگر ان کا روحانی مرشد کہا جائے تو مناسب ہے۔ اب تک ان کے دو مجموعے لہو ترنگ اور آفتاب تازہ، منظر عام پر آ چکے ہیں۔

اقبال

اس اندھیرے میں یہ کون آتش نوا گانے لگا
جانبِ مشرق اُجالا سا نظر آنے لگا

موت کی پرچھائیاں چھٹنے لگیں چھٹنے لگیں
ظلمتوں کی چادریں ہٹنے لگیں ہٹنے لگیں

ایک شرارہ اڑتے اڑتے آسمانوں تک گیا
آسماں کے نور پیکر نوجوانوں تک گیا

عالمِ بالا پہ باہم مشورے ہونے لگے
آسمانوں پر زمیں کے تذکرے ہونے لگے

پھر اندھیرے میں وہی آتش نوا پایا گیا
زندگی کے موڑ پہ گاتا ہوا پایا گیا

وہ نقیبِ زندگی شام وسحر گاتا گیا
کو بہ کو، کوچہ بہ کوچہ، در بدر گاتا گیا

گیت سننے کے لئے خلق خدا آنے لگی
گردنوں کو جنبشیں دے کر یہ فرمانے لگی

نغمۂ جبرئیل ہے انسان کا گانا نہیں
صورِ اسرافیل ہے دنیا نے پہچانا نہیں

عرش کی قندیل ہے اک آسمانی راگ ہے
راگ گیا ہے سر سے پا تک عشق کی اک آگ ہے

(مخدوم محی الدین)

☆☆☆☆☆

حیدرآباد میں اقبالؒ کا

جلسۂ تعزیت

کاش اپنی عمر کے ایام دے سکتا تجھے
اور واپس موت کے ہاتھوں سے لے سکتا تجھے

(علی اختر)

۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح اقبالؒ کے انتقال کی پُر ملال خبر لے کر آئی۔ جس نے سنا بھونچکا سا ہو کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اپنے ہی گھر سے کوئی سدھار گیا۔ ابھی چار مہینے تو گذرے تھے کہ ملک بھر نے نہایت تزک واحتشام سے ''یوم اقبالؒ'' منایا تھا اور کوئی امیر کوئی غریب، کوئی شاعر، کوئی ادیب، کوئی حکیم، کوئی خطیب، کوئی عالم اور کوئی سیاست دان ایسا نہ تھا جس نے اقبالؒ کی درازیٔ عمر کیلئے دعا نہ کی ہو۔

آرزوں سے بدل سکتی ہیں تقدیریں کہیں۔

موت پر کسی کا بس نہ چلا اور قوم کا اقبالؒ، ملک کا اقبالؒ، ادب کا اقبالؒ دیکھتے ہی دیکھتے گہنا گیا۔ یہ حسرت ناک خبر جب میں نے والدِ بزرگوار مولانا علی اخترؒ کی خدمتِ گرامی میں عرض کی تو سناٹے میں آ گئے۔ بہت دیر تک خلا میں گھورتے رہے اور پھر یکا یک آنکھوں سے آنسو اور زبان پر مذکورہ بالا شعر جاری ہو گیا۔ یہ شعر ان کی نظم ''وداع اقبالؒ'' میں شامل نہیں ہے لیکن میرے ذہن میں اس وقت کی کیفیت اور یہ شعر آج تک محفوظ ہے اس لئے یہاں اس کا اظہار برمحل معلوم ہوا۔

کاش اپنی عمر کے ایام دے سکتا تجھے
اور واپس موت کے ہاتھوں سے لے سکتا تجھے

شہر کے سارے کاروبار بند رہے، کالجوں اور اسکولوں میں چھٹی ہو گئی۔ دوسرے دن اضلاع حیدرآباد کے تمام اسکولوں اور سماجی انجمنوں نے تعزیتی جلسے منعقد کئے۔ خود شہر حیدرآباد میں ایک عظیم الشان تعزیتی جلسہ زمرد محل تھیٹر میں ہوا۔ اجلاس کی صدارت مسز سروجنی نائیڈو نے کی۔ حاضرین کی تعداد شمار سے باہر تھی۔ صرف چار ماہ پہلے لوگ کس ذوق وشوق سے یوم اقبالؒ کی تقریب سعید میں شرکت کیلئے ٹاؤن ہال پہنچے تھے۔ لیکن اس وقت کی انبساط

انگیز اور اس وقت کی کرب آمیز فضا میں کتنا فرق تھا۔

آدمی محسوس کر سکتا ہے کہہ سکتا نہیں

ہاں سوچنے اور محسوس کرنے والوں کیلئے اتنا فرق ضرور واضح تھا کہ ''یوم اقبال'' کی تقریب طلوع آفتاب کے بعد صبح کی چمکدار روشنی میں منائی گئی تھی۔ اور یہ جلسۂ تعزیت سرِ شام شروع ہوا۔ ادھر آفتاب غروب ہو رہا تھا اور ادھر ہزاروں آنکھوں میں اقبال کی یاد آنسو بن کر ''طلوع'' ہو رہی تھی۔

مقررین میں نواب بہادر یار جنگ' ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر یوسف حسین خان، نواب مہدی یار جنگ تھے اور راجہ پرتاب گیر جی نے ہندوؤں کی اور کیقباد جنگ نے پارسیوں کی نمائندگی کی تھی۔ اس جلسہ کے لئے حسب ذیل حضرات نے پیامات بھیجے تھے۔

قائداعظم، راجہ صاحب محمود آباد، پرنس آف برار، سر اکبر حیدری، سر مرزا اسماعیل، سر سکندر حیات خان، ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور، پنڈت جواہر لال نہرو، سر تیج بہادر سپرو، سبھاش چندر بوس، ڈاکٹر سید محمود اور سر سلطان احمد

راجہ پرتاب گیری جی نے ہندوؤں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا تھا۔

ہندو مسلمان، پارسی، عیسائی کون ایسا ہے جو اقبال کو نہیں چاہتا، اقبال ہے، تو سب کچھ، اقبال نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ میں تو اس نہ مٹنے والے اقبال پر مر مٹا ہوں جو نہ صرف اپنے میٹھے میٹھے راگوں سے دل کو موہ رہا ہے بلکہ اپنے پر جوش ترانوں سے خدا کی مخلوق کو غفلت کی نیند سے جگا رہا تھا۔ وہ روحانیت کے نشہ میں چور تھا کہ جو اس کے نشہ کو دیکھے خود بخود مخمور ہو جائے۔ یعنی وہ رند بھی تھا، واعظ بھی اور شاعر بھی تھا اور متقی بھی۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کا بانی رہا ہے۔

کیقباد جنگ نے پارسیوں کی طرف سے کہا۔

''آج ہم اس ناقابل تلافی نقصان پر اظہار افسوس کیلئے جمع ہوئے ہیں جو ڈاکٹر سر محمد اقبال کی المناک موت نے نہ صرف ملک ہند یا ملت اسلامیہ پر بلکہ پوری متمدن دنیا پر ڈھایا ہے۔ اقبال ہند کو اپنا وطن اور اہل ہند کو اپنا ہم قوم سمجھتے تھے۔ اقبال کے دل میں ہند اور اہل ہند کی سچی محبت جاگزیں تھی۔''

بہادر یار جنگ کی تقریر بڑی پُر اثر تھی لیکن افسوس ہے کہ ان کی پوری تقریر محفوظ نہ کی گئی۔ البتہ تقریر کے ابتدائی حصہ کا صرف ایک جز ''آثار اقبال'' میں شائع کیا گیا ہے۔

مسز سروجنی نائیڈو نے اپنی مخصوص من موہنی اور گونجتی گرجتی لیکن اندرونی درد و کرب سے لبریز آواز میں اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ ان کے شہرۂ آفاق انگریزی لہجے میں بڑی رواں دواں تقریر تھی۔ افسوس ہے کہ یہ تقریر بھی کسی نے محفوظ نہ کی۔ ہاں اتنا یاد ہے کہ انہوں نے اپنی تقریر کے اختتام پر اقبال کا یہ شعر بڑے پر جوش انداز میں پڑھا تھا۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

وداع اقبال

الوداع اے نطق کی سحر آفرینی کے امام
الوداع اے محفلِ معنی کے میر اہتمام
الوداع اے بزمِ مشرق کے خدا وندِ سخن
الوداع اے نکتۂ سنج نازش ارباب فن
الوداع اے مطربِ پاکیزہ الحال الوداع
الوداع اے سرخوش صہبائے عرفاں الوداع
الوداع اے خسرو شیریں کلامی الوداع
الوداع اے حسنِ فطرت کے پیامی الوداع
جا! کہ تیری منتظر تھی دیر سے خلدِ بریں
اٹھ! کہ یہ دنیا ابھی اسرار کی محرم نہیں

اے کہ تیرے نور سے رخشاں ہوئی صبح وطن — تونے کی ویرانۂ ہستی میں تعمیر چمن
سازِ مشرق میں سمو دی ، نغمۂ مغرب کیلئے — تونے یا بھر دی نئے پیالوں میں صہبائے کہن
ہستی موہوم سے پھوٹا حقیقت کا جمال — پنکھڑی پر جیسے رقصاں صبح کی پہلی کرن
تونے ان پھولوں کو سینچا باغبانِ پختہ کار — انجم گردوں سے ٹکراتا ہے جن کا بانکپن
اب بجھا سکتی نہیں جس کو ہوائے روزگار — تونے سینوں میں لگادی زندگی کی وہ لگن
تونے چھیڑا سازیوں اے مطرب شیریں نوا — لے کے خود انگڑائیاں اٹھی عروسِ علم وفن
اللہ اللہ تیری فطرت کی جمال آرائیاں — خارو خس کو تونے دی تقدیرِ حسنِ یاسمین

تیری تدبیروں کا منت کش ہے آئینِ بہار
بھول سکتا ہی نہیں تیرا احساں روزگار

☆☆☆☆☆

اقبال اکیڈیمی

منظر و پس منظر

۱۹۴۸ء کے اواخر سے اقبال شناسی میں ایک غطل سا نظر آتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ۱۹۴۸ء سے مئی ۱۹۵۷ء تک اقبال کے سلسلہ میں کوئی ایسا یوم یا کوئی ایسا جلسہ نہیں ہوا جسے اقبال کے شایان شان سمجھا جا سکے۔ اس کی وجہ غالباً وہ ذہنی جمود تھا جو سیاسی حالات نے طاری کر دیا تھا۔ لیکن اقبال کے چاہنے والوں نے کبھی حوصلہ نہیں چھوڑا ''بزم فاروق'' جو ایک چھوٹی سی مقامی بزم تھی۔ پیام اقبال کو آگے بڑھانے کا کام کرتی رہی۔ اس کی ہفتہ وار محفلوں میں اکثر محفلیں اقبال کے گرد گھومتی تھیں۔

جون ۱۹۵۰ء میں بزم احباب قائم ہوئی۔ بزم احباب نے اس کام کو زیادہ منظم طور پر شروع کیا اور اکثر شاخوں میں درس اقبال کی بنیاد ڈالی گئی۔ ۵۴ء میں بزم احباب کا نام بدل کر تعمیر ملت کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں اس کام کو اور تقویت ملی۔ اضلاع اور حیدرآباد میں مختلف شاخوں کے تحت منعقد ہونے والی محفلوں میں کلام اقبال پڑھا جاتا اور اقبالیات پر مضامین پیش کئے جاتے تھے۔

۱۹۵۴ء میں عیاذ انصاری، رشید الحسن، اور معین بزمی کی کوششوں کے نتیجہ میں ایک نمائندہ یوم اقبال اسٹیلی گرلز اسکول میں منعقد ہوا۔

یوم اقبال ۵۷ء

اسٹڈی سرکل کل ہند مجلس تعمیر ملت کے زیر اہتمام ۱۹۵۷ء میں ایک عظیم الشان یوم اقبال کا انعقاد عمل میں آیا۔ یہ ہندوستان میں تقسیم ہند کے بعد پہلا بڑا جلسہ تھا۔ ایک مجلس استقبالیہ تشکیل دی گئی۔ جناب بی کشن لال جو اس وقت میئر بلد تھے اس مجلس کے صدر منتخب ہوئے۔ جناب مصباح الدین شکیل معتمد استقبالیہ چنے گئے۔ جناب فیض زبیری کو معتمد نمائش منتخب کیا گیا۔

۱۸ مئی ۱۹۵۷ء کو یوم اقبال کا پہلا اجلاس لیڈی حیدری کلب بشیر باغ پر منعقد ہوا جس کا افتتاح جناب بی۔ گوپال ریڈی وزیر خزانہ نے کیا۔ اور صدارت جناب پروفیسر محی الدین قادری زور پرنسپل چادر گھاٹ کالج نے کی

۔اس اجلاس میں جناب بی۔کشن لال میر بلد نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔مشاہیر ہند جیسے ڈاکٹر رادھا کشن، نائب صدر جمہوریہ ہند، پروفیسر سید عبداللہ، رام بابو سکسینہ، خواجہ غلام السیدین معتمد مرکزی وزارت تعلیم، ڈاکٹر منموہن سنگھ دیوانہ، پروفیسر آل احمد سرور اور پروفیسر رشید احمد صدیقی وغیرہ کے پیامات پڑھ کر سنائے گئے۔اس اجلاس کو صدر جلسہ جناب محی الدین قادری زور کے علاوہ ڈاکٹر یوسف حسین خان صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ، ڈاکٹر ظہیر الدین الجامعی، پنڈت ونشی دھرودیالنکار اور جناب بی۔گوپال ریڈی نے مخاطب کیا۔اسی شام نواب مہدی نواز جنگ وزیر تعمیرات نے نمائش اقبالیات کا افتتاح کیا۔اس نمائش کے لئے حیدرآباد کے مختلف کتب خانوں میں موجود اقبالیات پر ذخیرہ اکٹھا کر کے پیش کیا گیا۔اس کے علاوہ ملک کے ممتاز مصوروں کی بنائی ہوئی بیسیوں تصویریں اور مرقعے بڑے ترتیب وسلیقہ سے سجائے گئے تھے۔یہ نمائش جو ابتداء میں صرف دو روز کیلئے منعقد کی گئی تھی، تیسرے روز بھی جاری رہی اور ایک اندازے کے مطابق ۱۲ ہزار سے زیادہ افراد نے اسے دیکھا۔

دوسرا اجلاس ۱۹ مئی کو بصدارت جناب ڈاکٹر یوسف حسین خان صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ منعقد ہوا۔اس اجلاس میں پروفیسر ڈاکٹر غلام عمر خان، ڈاکٹر عالم خوندمیری، ڈاکٹر حفیظ قتیل، ڈاکٹر راج کشور پانڈے لکچرار ہندی جامعہ عثمانیہ اور ڈاکٹر مغنی تبسم نے فکر انگیز مقالے پیش کئے۔صدر اجلاس جناب ڈاکٹر یوسف حسین خان کی بصیرت افروز تقریر نے نوجوانوں کے آئندہ عزائم کو مہمیز کیا۔

یوم اقبال ۵۷ء کی عظیم الشان کامیابی سے سرشار نوجوانوں نے یہ محسوس کیا کہ مطالعۂ اقبال کے اس سلسلہ کو نہ صرف جاری رکھنے کی بلکہ اس میں وسعتیں پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے۔یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان سب کامرانیوں کے پیچھے جناب سید خلیل اللہ حسینی صاحب صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت کی حرکی شخصیت اور ان کے مشورے وہدایتیں رہی ہیں۔

اقبال اکیڈیمی حیدرآباد کا قیام

حیدرآباد میں اقبال شناسی اور اقبال فہمی کی ان کوششوں کے نتیجہ میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کام کو منظم انداز میں جاری رکھنے کیلئے ایک علیحدہ ادارہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

چنانچہ ۲۸ جون ۵۹ء کو اقبال اکیڈیمی کا باضابطہ قیام عمل میں آیا۔جناب ڈاکٹر عالم خوندمیری اس اکیڈیمی کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔اس تاسیسی جلسہ کی صدارت پروفیسر عبدالمجید صدیقی سابق صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ نے فرمائی۔ڈاکٹر ظہیر الدین احمد الجامعی اور سید خلیل اللہ حسینی نے مخاطب کیا۔پروفیسر ڈاکٹر عالم خوندمیری کے دور صدارت میں دو مرتبہ وسیع پیمانے پر یوم اقبال اور اس کے ساتھ نمائش اقبالیات کا انصرام عمل میں آیا۔

صدی تقاریب ۱۹۷۳ء

مئی ۱۹۷۳ء میں عظیم الشان پیمانے پر اقبال صدی تقاریب کا انعقاد عمل میں آیا۔ ڈاکٹر رحیم الدین کمال صدر استقبالیہ نواب میر احمد علی خان، سید وقار الدین، محترمہ بلقیس علاء الدین نائب صدور، عبدالقادر عمادی معتمد اور جناب غلام یزدانی معتمد مالیہ کمیٹی چنے گئے۔

صدی تقاریب کا پہلا اجلاس نمائش میدان میں افضل العلماء مولانا عبدالوہاب بخاری کی صدارت میں ۱۱ مئی ۷۳ء کو منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر رحیم الدین کمال نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔ عبدالقادر عمادی نے مشاہیر کے پیامات اور دیگر ادبی ادارہ جات کے جذبات خیر سگالی پیش کئے۔ ڈاکٹر غلام دستگیر رشید اور جناب رحیم قریشی نے مخاطب کیا۔ اوج یعقوبی، خواجہ شوق، سعید شہیدی، پرنس نقی علی خان ثاقب۔ ڈاکٹر غیاث صدیقی اور نواب محمود علی خان ٹائرو نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ ادبی اجلاس ۱۲ مئی کو صبح ۱۰ بجے نمائش کلب میں جناب جگن ناتھ آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل، تقی علی مرزا، ابوالفیض سحر، ڈاکٹر راج کشور پانڈے، احمد نائب صدری آقا قفائی، ڈاکٹر ڈی وینکٹ اودھانی، ڈاکٹر ایس آر کلکرنی نے مقالات پیش کئے۔ تیج نارائن جیسوال اس اجلاس کے کنوینر تھے۔

دوسرا اجلاس عام ۱۲ مئی کو رات ۸ بجے نمائش میدان میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت جناب سید خلیل اللہ حسینی صدر اکیڈیمی نے کی۔ اس اجلاس کو جناب صدر کے علاوہ ڈاکٹر محمد مصلح الدین صدیقی، جناب سلیمان سکندر، عبدالقادر عمادی، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، اور کے بل مہندرا نے مخاطب کیا۔ نواب محمود علی خان ٹائرو، شاذ تمکنت، رئیس اختر، عثمان علی ضیاء نے نظمیں پیش کیں۔ اس اجلاس کی معتمدی کے فرائض کریم رضا نے انجام دیئے۔

''اقبال اور عصری تقاضے'' کے عنوان پر ایک سمپوزیم ۱۳ مئی کو صبح ۳۰۔۱۰ بجے انوار العلوم کالج میں منعقد کیا گیا جس کے کنوینر منیر احمد خان (مرحوم) تھے۔ سید سراج الدین، پروفیسر صلاح الدین، ڈاکٹر رحیم الدین کمال، سید خلیل اللہ حسینی، اختر حسین، اور ڈاکٹر مغنی تبسم نے مقالات پیش کئے۔

اسی مقام پر اسی روز رات میں ۸ بجے محفل یاد اقبال منعقد ہوئی۔ ڈاکٹر غلام دستگیر رشید نے صدارت کی۔ اس جلسہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ان اصحاب نے تقاریر کیں جنہوں نے اقبال کو دیکھا یا سنا تھا۔ پروفیسر سید محمد (مرحوم) اختر حسین سید سجاد مرزا، ڈاکٹر یوسف علی خان، میر حسن اور ذکی الدین صدیقی نے مخاطب کیا۔ خیرات ندیم، ناصر کرنولی، فیض الحسن خیال، صلاح الدین نیر، نذیر علی عدیل، راز عابدی اور عبدالحلیم نے منظوم گل ہائے عقیدت نچھاور کئے۔ اس محفل کے کنوینر محمد منظور احمد تھے۔ اس سلسلہ میں نمائش کلب میں مخطوطات، مطبوعات پر مشتمل ایک نمائش بھی ترتیب

دی گئی۔ جس کا افتتاح ۱۱ مئی کو ۳۰۔۵ بجے شام عمل میں آیا۔ جناب ایس کے سنہا آئی اے ایس نے افتتاح کیا۔ جناب نریندر لوتھر آئی اے ایس نے صدارت کی۔ سعید بن محمد نقش نے ایک موثر تقریر کی۔ اس نمائش کے کنوینر جناب خواجہ محمد احمد سابق ناظم محکمہ آثار قدیمہ تھے۔ جناب وقار الدین ایڈیٹر رہنمائے دکن نے انعامات تقسیم کئے۔

۱۴ مئی ۲۰۱۵ء رات ۳۰۔۸ بجے تہذیبی پروگرام پیش کیا گیا جس کی کنوینر ڈاکٹر رشید موسوی تھیں۔ فائن آرٹس اکیڈیمی کے فن کاروں نے ساز پر کلام اقبال پیش کیا۔ اس طرح یہ چار روزہ تقاریب اختتام کو پہنچیں۔

اقبال اکیڈیمی کا رجسٹریشن

مارچ ۱۹۷۴ء میں اقبال اکیڈیمی کے دستور کی تدوین کی گئی اور پبلک سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ ۱۳۵۰ف کے تحت اس ادارہ کو رجسٹرڈ کروایا گیا۔ دستور کی رو سے اقبال اکیڈیمی کے مقاصد حسب ذیل قرار پائے۔

۱۔ افکار اقبال کی اشاعت

۲۔ ایسے نظریات کی تحقیق جن پر فکر اقبال مبنی ہے

۳۔ علمی و ادبی شعور کی نشو ونما

ان مقاصد کے حصول کیلئے اقبال اکیڈیمی نے حسب ذیل پروگرام کے تحت اپنی مساعی جاری رکھے ہوئے ہیں۔

۱۔ ہر ماہ محفل اقبال کا انعقاد

۲۔ ہر سال اپریل/نومبر میں سمپوزیم یا سمینار کا انعقاد جس میں ماہرین اقبالیات اقبال کے فکر وفن پر مقالے پیش کرتے ہیں۔ ان اجتماعات میں ہندوستان کے اہل علم کے علاوہ پاکستان برطانیہ، امریکہ اور روس کے اسکالرس نے بھی حصہ لیا۔

۳۔ طلباء اور نوجوانوں کے لئے درس اقبال کا انتظام۔ اس سلسلہ میں مختلف مواقع پر جاوید نامہ، اسرار ورموز کے متنی مطالعہ (Textual study) کے لئے درس اقبال کی کلاس کو پروفیسر صلاح الدین، پروفیسر غلام دستگیر رشید، پروفیسر عالم خوندمیری اور جناب محمد ظہیر الدین احمد نے مخاطب کیا۔

۴۔ مختلف مواقع پر طلباء اور طالبات کیلئے تحریری وتقریری مقابلوں کا انصرام

۵۔ اقبالیات کے مطالعہ کو فروغ دینے اور اسکالرس کے استفادہ کیلئے ایک کتب خانہ کا قیام عمل میں لایا گیا جہاں اقبال کی حیات، فکر وفن، رسائل، خطوط اور تصاویر کا ایک قابل قدر ذخیرہ جمع ہے۔

۶۔ ششماہی رسالہ اقبال ریویو پابندی کے ساتھ اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ جس میں نئے زاویہ ہائے نظر سے لکھے جانے والے مقالے اور تحقیقی مضامین شامل کئے جاتے ہیں۔ اقبالیات پر اب تک کتابیں اقبال اکیڈیمی

نے شائع کی ہیں۔

صدی تقاریب

۱۹۷۷ء میں نہایت عظیم الشان پیمانے پر اقبال صدی تقاریب منائی گئیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ نواب کاظم نواز جنگ (علی پاشاہ) صدر، محامد علی عباسی، عابد علی خان اور غلام یزدانی نائب صدور، سافر ملک معتمد، نواب غلام عمر خان صدر مالیہ کمیٹی اور سید مظہر الحق قادری، ڈاکٹر عالم خوندمیری، ڈاکٹر صفدر علی بیگ، تیج نارائن جیسوال وغیرہ وغیرہ پر مشتمل مجلس استقبالیہ نے ان تقاریب کی عملی صورت گری میں شبانہ روز کوششیں کیں۔

۹ نومبر (۱۹۷۷ء) کو ۶ ساعت شام نمائش کلب میں افتتاحی اجلاس منعقد ہوا۔ جی رام ریڈی امیر جامعہ عثمانیہ نے صدارت کی اور شریمتی شاردا مکرجی گورنر آندھرا پردیش نے تقاریب کا افتتاح کیا۔ جناب آصف پاشاہ وزیر قانون مہمان خصوصی تھے۔ اس اجلاس کو علی سردار جعفری، غلام یزدانی اور ظہیر الدین نے مخاطب کیا۔

اسی روز رات ۸ بجے سینکڑوں، کتابوں، رسائل، تصاویر پینٹنگ پر مشتمل نمائش کا بدست نواب شاہ عالم خان افتتاح عمل میں آیا۔

اقبال اور عصریت، کے موضوع پر، نومبر ۷۷ء کو صبح دس بجے نمائش کلب میں سمپوزیم کا انعقاد عمل میں آیا جس کی صدارت پروفیسر وحید الدین خان صدر شعبہ فلسفہ نے کی۔ ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر عالم خوندمیری، جناب تقی علی مرزا، جناب سراج الدین اور ڈاکٹر انور معظم نے تقریریں کی۔

شعر و آہنگ کے موضوع پر سمینار کا اجلاس اول اسی مقام پر ۳۰۔۳ بجے دن شروع ہوا۔ جس کی صدارت ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد نے کی۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر سیدہ جعفر، ڈاکٹر مغنی تبسم، ڈاکٹر یوسف سرمست، اور جناب مضطر مجاز نے مقالے پیش کئے۔ اس سمینار کے کنوینر یوسف اعظمی تھے۔

۱۱ نومبر کو ۶:۳۰ ساعت شام نمائش کلب میں اجلاس عام منعقد ہوا۔ جناب سید خلیل اللہ حسینی صدر اکیڈیمی نے صدارت کی۔ علی سردار جعفری، ڈاکٹر غلام دستگیر رشید، مولانا عباس رضوی، جناب سلیمان سکندر، اور بیرسٹر سردار علی خان نے شرف تخاطب حاصل کیا۔ ارمان فاروقی اور جمیل حسن کاظم نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ جناب سید لطیف الدین قادری (مرحوم) نے اقبال صدی تقاریب کے سلسلہ میں منعقد کئے جانے والے مختلف مقابلوں میں اول و دوم آنے والے طلباء و طالبات کو انعامات عطا کئے۔

۱۲ نومبر ۷۷ء کو صبح دس بجے سروجنی دیوی ہال رام کوٹ میں سمینار کا دوسرا اجلاس بعنوان ''اقبال کی مذہبی اور فلسفیانہ فکر'' منعقد ہوا۔ ڈاکٹر عالم خوندمیری نے صدارت کی۔ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر حفیظ قتیل، ڈاکٹر رحیم

الدین کمال، ڈاکٹر صفدر علی بیگ اور یوسف اعظمی شامل تھے۔

اجلاس سوم۔ اقبال کی سماجی اور سیاسی فکر، پر ۳:۳۰ بجے دن شروع ہوا جس کی صدارت علی سردار جعفری نے کی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب، جناب احسن علی مرزا اور مصلح الدین سعدی نے مقالات پیش کئے۔

اسی رات ۹ بجے سروجنی دیوی ہال میں کنج بہاری لال صاحب کی صدارت میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ جناب کے وی کیشو لو وزیر ہینڈلوم مہمانِ خصوصی تھے۔ اس مشاعرہ میں جناب علی سردار جعفری، جناب جگن ناتھ آزاد کے علاوہ مقامی شعراء نے اپنا کلام سنایا۔

اقبال ایوارڈ

۱۹۸۵ء سے اقبال ایوارڈ کے سلسلہ کا آغاز کیا گیا جو اقبالیات میں قابلِ قدر خدمات انجام دینے والے اہلِ علم اصحاب کو دیا جاتا ہے۔ پہلا ایوارڈ حیدرآباد کے ممتاز اسکالر اور ماہر اقبالیات پروفیسر ڈاکٹر غلام دستگیر رشید کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

اقبال اکیڈیمی نے جو کام انجام دیا ہے اسے ہندو بیرونِ ہند کے ماہرین اقبالیات نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے لیکن اقبال شناس جانتے ہیں کہ بہت سے کام ابھی باقی ہیں۔ اقبال اکیڈیمی کا یہ احساس ہے کہ ایسے افراد تیار ہوں جو دورِ جدید کے تقاضوں کے پس منظر میں اقبال کو سمجھ سکیں اور اس کی دانشِ نورانی کے امین بن سکیں۔

حیدرآباد میں اقبال پر تحقیق، تصنیف اور تراجم

اقبال اکیڈیمی اقبال کے پیام کو عام کرنے کیلئے کام کر رہی ہے لیکن اس کے علاوہ مختلف اہلِ علم اصحاب نے ۱۹۴۸ء کے بعد اس سلسلہ میں قابلِ قدر کام کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر غلام عمر خان نے اقبال کے تصورِ خودی پر ڈاکٹریٹ کیا۔ پروفیسر عالم خوندمیری کے پی۔ ایچ ڈی کا مقالہ ''اقبال کا تصورِ زماں'' تھا۔ حال ہی میں ڈاکٹر ساجدہ ادیب نے اقبال اور جوشوا رائیس کے تقابلی مطالعہ پر ڈاکٹریٹ کیا۔ جناب مضطر مجاز نے مثنوی پس چہ باید کرد، جاوید نامہ اور ارمغانِ حجاز کا اردو منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ نواب سید محمود علی خان ٹائرو نے اقبال کے سارے اردو کلام کو انگریزی میں منظوم کیا ہے لیکن یہ انگریزی تراجم شائع نہیں ہو سکے۔ اس کے علاوہ حیدرآباد سے اقبالیات پر جو کتابیں شائع ہوئی ہیں اس کی فہرست علیحدہ دی گئی ہے۔

☆☆☆

محمد ظہیر الدین صدر اقبال اکیڈیمی مخاطب کرتے ہوئے۔

ڈاکٹر شمیم حنفی، جناب ظہیر الدین صدر اکیڈیمی،
جناب امتیاز الدین معتمد اکیڈیمی، محمد ضیاء الدین نیر نائب صدر اکیڈیمی مخاطب کرتے ہوئے۔

ڈاکٹر سید عبدالمنان، ڈاکٹر مغنی تبسم، ڈاکٹر شمیم حنفی
جناب ظہیر الدین، مضطر مجاز اور ڈاکٹر یوسف کمال

سامعین میں جناب جلیل احمد ایڈوکیٹ، جناب احمد صدیقی

پروفیسر سراج الدین مرحوم مخاطب کرتے ہوئے

ڈاکٹر یم یم۔تقی خان مخاطب کرتے ہوئے، جناب ولی قادری،
و جناب عمر علی خان دیکھے جاسکتے ہیں۔

نمائش اقبالیات کا افتتاح، مصلح الدین سعدی مخاطب کرتے ہوئے۔
محترم عبدالرحیم قریشی صاحب، جناب جعفر نظام، پروفیسر سراج الدین اور غلام یزدانی ایڈوکیٹ

محمد ضیاالدین نیر، ڈاکٹر سید عبدالمنان، ڈاکٹر احتشام
فرزند ڈاکٹر سید سراج الدین مرحوم، محمد ظہیر الدین

Needs

WAMA GROUP

With Best Compliments from:-

501, 5th Floor, Raghva Ratna Towers, Chirag Ali Lane
Abids, Hyderabad-1. Ph: 040 66822891, Fax: +91 40 66822891
E-mail: needtissues@gmail.com

With best compliments from .....

3M Diagnostics

Recognized by C.G.H.S

SERVICES AVAILABLE

- C.T. SCAN
- COLOUR DOPPLER
- 2D ECHO
- ULTRA SOUND SCAN
- X-RAY
- T.M.T.
- E.C.G.
- E.E.G.
- P.F.T.
- CLINICAL LAB
- ENDOSCOPY
- O.P.G.
- DENTAL X-RAY

FREE AMBULANCE SERVICE FOR CT SCAN

MEHDIPATNAM

8-Sakina Complex 'x'Road,
Mehdipatnam, Hyd-28.
Ph: 23514572,23517044

Charminar

Opp: Sardar Mahal MCH Off,
Charminar, Hyderabad
Ph: 24566368

Toli Chowki

Tolichowki
Main Road, Hyd-08.
Ph: 23560093

Designed to suit your
Lifestyle.....
CRESCENT
REAL ESTATES
Your Dream Home.....
CRESCENT
Heights
a living destination
CRESCENT REAL ESTATES & DEVELOPERS
9-4-77/A/236/A, Al-Hasnath Colony, Lane Beside Bandhan Function Hall,
Towlichowki, Hyderabad - 500 008.
Email: info@cresentdevelopers.net | www.crescentdevelopers.net
Office Ph: 099899 27592
Landline : 040-23563485
Fax : 040-23563485
M.D. Cell No's : 98661 84819
: 98490 84819

جشن اقبال ۲۰۱۰ کے لیے نیک خواہشات

MOOSA EXPORTS

Presents well furnished villas at Shadnagar on 267 sq. yards, 1550 sft. construction duplex in following schemes

Group A: Full payment for Rs. 16,00,000 only; immediate registration & delivery of villa within 30 months.

Group B: Rs. 5,00,000 as advance for booking, immediate registration Rs. 25,000 per month as installments (25,000×60 months).

Group C: Rs. 35,000 per month; 60 installments; registration after 15 months.

FOR DETAILS, VISIT www.moosaexport.com

Contact : **MOOSA EXPORTS**

105A, First Floor, Lemaine Estate, Opp. Chetmas Malls, Hyderabad - 500 001 Andhra Pradesh, INDIA Phones : 662 7625, 4004 8125

Email : moosaexports63@yahoo.comWebsite: www.moosaexport.com

جشن اقبال ۲۰۱۰ کے لیے نیک خواہشات

SHARP COMPUTERS

16-8-907/A, Beside Malakpet Railway Station, New Malakpet, HYD-24.

Cell: 9392427796

- نہایت ہی تمدہ رسم الخط میں اردو، انگریزی اور عربی میں کمپیوٹر کتابت کی جاتی ہے۔
- دیدہ زیب سرورق کے ساتھ نفاست اور ذمہ داری سے طباعت کے تمام تر مراحل انجام دئے جاتے ہیں۔
- معزز ادبا، علما و شعرا حضرات اطمینان کے ساتھ اپنی تخلیقات و نگارشات ہمیں دے سکتے ہیں۔
- ہم اپنی ذمہ دارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان تخلیقات کو زیور طباعت و اشاعت سے آراستہ کریں گے۔
- غیر مقیم اہل قلم حضرات مزید تفصیلات کیلئے بذریعہ ڈاک ہم سے ربط پیدا کر سکتے ہیں۔

قطعہ

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرود و انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علیؑ خیبر شکن عشق

اقبالؒ

بسم الله الرحمن الرحيم

IQBAL REVIEW

NOVEMBER 2010

JASHN-E-IQBAL

English Section

Vol:20 Issu:2

ISBN NO.81-86370-31-5

Iqbal Academy Hyderabad

CONTENTS

1	Biodata of participants in the Seminar	4
2	Tribute to Iqbal (On his Death)	7
3	Iqbals' Writings	9
4	Sar-e Jahan se Accha Hindustan Hamara	16
5	Main events of Iqbal's life (1877-1938)	17
6	Prof. Syed Sirajuddin - A Tribute Prof.Taqi Ali Mirza	22
7	Iqbal Poet and Thinker K.S.Ghulam Ali	24
8	Iqbal : His Art and thought JAGAN NATH AZAD	31
9	Iblis in Iqbal's Poetry Annemarie Schijmel	36

Jashn-e-Iqbal

Tuesday,21December,2010

Venu :SalarJung Museum,Time : 06:00 pm

Centenary Celebrations
of Iqbal's first visit
Cultural Program

06.00pm:	Audience Assemble
06:30pm:	Reception Address by the president, Iqbal Academy
06:40pm:	Chorus by school children "Saare Jahan Se Achchaa
06:45pm:	Dr Jafar Hussain Qureshi
07:00pm:	Dr.Abdus Samad Samdani
07:15pm:	Kalam-e-Iqbal (by Syed Imtiyazuddin)
07:30pm:	Dr .Zafar Mahmood
07:45pm	K.Rahman Khan
08:00pm:	Ghazals of Iqbal by Mr.Syed Adil Hussaini
08:30pm:	Dinner
09:00pm:	Ghazals of Iqbal by Ms. Jasbir kour
09:30pm	Ghazals of Iqbal by Moghni

Vote of thanks

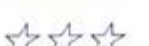

Biodata of the participants in the Seminar

Name: **Dr. Jahan Ara Begum**
Qualification: B.Sc. M.A., PhD
Experience: 31Years
Post Held: Professor of Urdu,Karnataka State Open Univ. Mysore
Member: Various B.O.S, B.O.A. and B.O.E
Seminar attended: 15(National &Intl.)
Workshop: N.C.E.R.T , D.S.E.R.T. Many Text Book committee member
Phone No:0821-2498589; 9449179361, Email: gyanyanimysore@gmail.com
Theme of the Paper:

Name: **Dr. Yusuf Azmi**
Qualification: Ph.D in English Literature,1989,Osmania University
Experience: July 2006,Prof.&HoD of English SCET,
1992-99 Adjunct Professor, East West Univ, Chicago USA
1990-91, HoD of English, A.U(E) College, Osmania Univ.
Research: The Unpublished work of T.S. Eliot, 1991-92(A research project completed on the invitation of Birtish Council and Charles Wallace Trust, U.K)Religion and Man in the Poetical Works of T.S. Eliot and Iqbal, Ph.D.dissertation December 1989 ,Osmania University
Seminar : National and International Seminars, Hyderabad, Cape Town, S. Africa
Lecturers :Parliament of Religions Chicago,, London, Univ. Birmingaham
& Conferences
Phone no: 9848697187,Email: Yusuf_azmi@yahoo.com

Name: Dr. Akhlaq Hussain "Asar"
Qualification: MA,(Eng& Urdu) PhD(in Arts &in Educ)
Experience: FMR NCERT-MHRD,Field Advisor for States of Himachal, Panjab, Harayana& U.t. Chandigarh.
Dir Chairman: Iqbal Academy, Azad Akademy for Education, Media, Democracy & Secularism
Vice President: All India Urdu Writers & Journalists Forum for NationalIntegration(Registered),FMR Head: Dept of Urdu, Regional College of Education, NCERT MHRD Barkatullah University, Bhopal.

Name: Dr. Manzar Hussain
Qualification: M.A. ,Gold Medalist, Ph.D
Experience: Prof. Post Graduate Dept. of Urdu,Univ. of Ranchi,
29 years (Teaching Expereience in Universtiy)
20 years Research Experience, 5 Ph.D under Supervision
Publications: Articles-more than 200, Books Published -3(Iqbal &Dante,Jagan Nath ek kasirul jehat fankar, Tafhim-o-taun-e-Qadr, Books under Publication Iqbal aur Mashreqi Mofakkerin,Bihae main Iqbal Shanasi ke Zaviye,Jharkhand ke Namaindah Fankar, Articles in different Books-16
Seminar: National-35,International-12
Membership: Director Edara-e- Tahquiqat-e-Urdu, Ranchi,
Anjuman Taraqqui Urdu, Ranchi
Phone: 09835192717, 09308586208.
Email: dramanzerhussain@gamil.com

Name: Dr. Syed Abdul Bari,(Shabanam Subhani)
Qualification: MA(Eng & Urdu), Ph.D (Urdu)
Experience: Retd. Reader and HoD-G.S.P.G College,Sultanpur, President Idara-e-Adab-i-Islam Hind 1989:Secy,Tasniti Academy,Editor:Pashraft(Literary Monthly)
Publications: Qause Qazah (Ghazals),Hindustan Tazheeb aur Urdu,History of Urdu Litt,Ashraf Jehangir,Amali Urdu,. Lucknow ke Shero ka Moasharti O Saqafati Matala,Adab aur Wabastagi, Naqd-e-nau Ayar,Afkar-e-Taza, Adabe Shanakht,Kawish-e-Nazar,Muslims Tanzeemen Azadi ke Bad, Islam aur Dahshat Gardi, Islam& Terrorism,Islam aur Insan Dost and many more.
Awards: Nawa-e- Meer,1993,Imtiaz-e- Mir 1997,Matiratan Award 2007,
Phone : Email: drsyedabdulbari@gmail.com

Name: Dr.Abdul Gafoor. K
Qualification: M.A(Urdu), M.A. (Eng), M.Phil(Urdu), M.Ed,SET
Ph.D(Urdu)Ph.D(Clinical Psychology),Ph.D(Edu)Languages:

Urdu,English,Hindi,Malyalam, Arabic

Experience: Primary&High School Teacher,Higher Secondary, Principal, DLEd(Lecturer(Similar to BEd, State Urdu Special officer, Asst. Educational Officer,Govt of Kerala,Professor of Education, MEd College.

Critical Works Rahbar Rehunama(Hand Book in Urdu for Students,
Urdu Malayalam Grammar rules
Models of compositions in Urdu
Methods of teaching Urdu
Kerala ke Awaleen Urdu Shaer S. M. Sarwar ke Khidmaath
M.Phil Dissertations in Urdu)
Kerala mein Urdu ke Farogh Ka Tahaqeeqi Jayeza (Ph.D Thesis in Urdu)Technique of teaching second languages (PhD thesis in Edu)Physically handicapped & Mentally retarded children; Their treatmentand remedial(Ph.D thesis in Clinical Pyschology)
No. of Text Books prepared from SCERT as the Head of Curriculum Dept-165

Contact: Mobile:09447088575,08943118490

Name: Aleem Saba Naveedi,

Qualification: B.A. (Aligarh)

Experience: Guidance of Hazarth Khawaja Moeenuddin Chisti, Moulana Raji Siddiqui,Hazarath Danish Farazi.

Ciritical Works: Hamd-o-Naat,Naazm(All Forms)Ghazals(Azad Ghazals, Nasri Ghazals, Short Stories,Fiction, Criticism& research work.

Name: Mohammed Asif

Qualification: Pursuing Ph.D from CIL, JNU New Delhi on" Manto ke Fikri-o-Fanni Imtiyazat"MPhil from JNU-Pursuing one year Diploma in teach English from MANUU Hyderabad1 year Advance Diploma in Mass Media from JNU New Delhi in 2007

Experience: Qualified NET(National Eligibility Test) conducted by UGC in December 2006

Contact: Phone:919968480893 , Email: azmijnu@gmail.com

☆☆☆

TRIBUTES TO IQBAL

(On his Death)

The death of Sir Muhammad Iqbal creates a void in our literature that, like a mortal wound will take a very long time to heal. India, whose place to-day in the world is too narrow , can ill afford to miss a poet whose poetry had such universal value."

Rabindra Nath Tagore.

The passing away of Sir Muhammad Iqbal means the disppearance of one of the brightest stars from the literary firmament of India. Besides being a front-rank poet and litterateur, Sir Muhammad Iqbal was a unique personality . The loss we have suffered through his sad demise will be felt all over the country.

Lately he held polictical views with which many of us could not find ourselves in agreement, but never did anybody question the sincerity of his views.

In this hour of silence all controversy is hushed and we bow our hearts in reverence for one of the great sons of Mother India. His memory will ever remain enshrined in the hearts of his countrymen through such songs as Sare Jahan se Achhacha Hindustan Hamara.

Subhas Chandra Bose.

I have been deeply shocked to hear the news of the death Sir Muhammad Iqbal, whom I met only two months ago in Lahore. One of the greatest living poets of the world, he was a master craftsman in Persian and Urdu poetry and for the last thirty years I have admired him as a poet and a thinker of the first magnitude. India loses in him a great poet and a man of rare culture. My deepest sympathies ar with his family ."

Rt.Hon'ble Sir Tej Bahadur Sapru.

"I have learnt with deep sorrow of Sir Muhammad Iqbal's death . Only a Short while ago, I had the privilege of having long discussion with him as he lay on his sick bed and his keen intelligence and love of Indian freedom impressed me deeply . By his death India loses a bright and scintillating star, but his great poems will keep his memory fresh in the minds of coming generation and inspire them.

Pandit Jawahar Lal Nehru.

Though the earth may enshrine the precious dust of Sir Muhammad Iqbal's body, his imperishable genius will shine through the ages in undimmed beauty and splendour. My profound homage to his memory.

Mrs .Sarojini Naidu.

How sad to think that Iqbal is no more.Modern India could not produce a greater Urdu poet. His Persian poetry too has a place of its own in modern Persian literature. It is the loss of the East, not of India alone. Personally it have lost an old friend."

Maulana Abul Kalam Azad

☆☆☆

COUTS

" The Flame of Life cannot be borrowed from others ; it must be kindled in the temple of one's own soul ! Let then, the fire of youth mingle with the fire of faith ,in order to enhance the glow of Life,and to create a new world of actions for our future generations ! "

☆☆☆

IQBAL'S WRITINGS

1.'ILM AL-IQTISAD

The science of Economics

Iqbal's first book was a treatise on economics, entitled 'Ilm al-iqtisad written on the suggestion of his teacher.Thomas Arnold, and was published in 1903.

This is one of the very earliest full-length Urdu books on the subject. The answers suggested by Iqbal to a number of serious problems then facing India may be equally valid today , such as the establishment of a system of national education'to improve the works skills, adaptability , confidence and character, and controlling the growth of population etc.

The'Ilm al-iqtisad defines economics, its importance, and relationship with other subjects then deals with the production of wealth, and expenditure, consumption and population.

2. The Development of Metaphysics in Persia

A Contribution to the History
of Muslim philosphy

Muhammad Iqbal's thesis on "The development of Metaphysics" for the degree of Ph.D.at the University of Munich in 1908 was published in London the same year. This presents an outline of the metaphysical thought of the Iranian people from Zoroaster to Baha'ullah. It continues to be a useful book as no other monograph study of its kind has since appeared in English.

In his introduction says:

a) I have endeavoured to trace the logical continuity of Persain thought, which I have tried to interpret in the language of modern philosophy. This , as far as I know, has not yet been done.

b) I have discussed the subject of Sufisim in a more scientific manner, and have attempted to bring out the intellectual conditions which necessitated such a phehomenon. In opposition therefore, to the generally accepted view I have tried to maintain that sufism is a necassary product of the play of various intellectual and moral forces which would nessarily awaken the slumbering soul to a higher ideal of life.

3. STRAY REFLECTIONS

This work, initially entitled stray thoughts, was Iqbal's first major compilation on his return from europe. It was published posthumously in 1961, and contains notes and impressions on themes to be elaborated in his later works . According to javid Iqbal , the author's son, who edited and published the book, he started writing it on 27 April 1910 and, after several months, stopped for some unknown reason.

The contents are mostly short paragraphs' in a simple yet forceful style. The topics discussed are art, religion, including Islam and western , science, history, politics, political ideas and institutions , education and literature. Several entries provide information about the author.

4. ASRAR - I KHUDI

Secrets of the Self

This, the first of Iqbal's major poems on religious philosophy, was published in 1915. In a letter to the poet Girami dated 13 July 1914 Iqbal wrote that he was working on the poem and that' so far as the ideas expressed are concerned, this masnawi is some-thing completely unprecendented in eastern or western literature. According to R.A. Nicholson, whose translation of the poem appeared in 1920, On its first appearance the Afsar-i Khudi took by storm the younger generation of Indian Muslims.

In the Asrar, Iqbal emphasizes the importance of the ego and its selfaffirmation , he belives that the morality of the individual and of the nation are determined by the answer they give to the question.what is the nature of the ego? This emphasis is intended in part to counter balance a certain tendency in oriental thought and spirituality to stress the unitary point of view , from which the individual self exists only upon an illusory plane. Iqbal considered that this was the major cause of the fatalistic passivity which characterized the Muslims and other eastern peoples, resulting in the decline in their religious values and cultural and political fortunes during recent centuries at the expense of those of the west.

5. RUMUZ-I BIKHUDI

Mysteries of Selflessness

Iqbal's second major philosophical essay in persian verse, entitled

'Rumuzi-i.bikudi (Mysteries of Selflessness) , was published in 1918. Its principal themes are the relationships between the individual , the community , and mankind, and the nature of the ideal community and its ethical social principles as based upon the teachings of Islam. Although open-minded and ready to praise the merits of other divinely revealed religious, Iqbal, who was a devote Muslim, insisted upon the pre-eminence of Islam. The ' Rumuz' was clearly intended as a necessary complement to the individualistic doctrines of the 'ASRAR-I KHUDI' and the two poems have often been publshed as a single volume under the tittle 'ASRAR U RUMUZ' An English translation of the poem by A. J. Arberry appeared in 1953. The RUMUZ-I Bikhudi gained still wider repute for the autor. and his appeal to Pan - Islamic sentiments met with an enthusiastic response amongst the Muslims of the subcontinent and elsewhere.

6. PAYAM-I MASHRIQ

Messsage of the east

According to the author's preface, the payam-i Mashriq, which appreared in 1923, was written as a respone to the westostlicher Diwan, a collection of poems published almost exactly a century earlier in 1819 by the German poet and philosopher Gothe (1749-1832), who was strongly influenced by oriental thought and greatly admired persian poetry. In Iqbal's view the conditions prevailing in the East were comparable to those obtaining in Germany during Goethe's time , a state of national decline. writting after the first world war, he perceived that the peoples of Europe were working towards a dynamic revival of western civilization, while the Islamic nation. remaning in subjection, continued to stagnate and to fall apart. The situation could not, as he saw, be remedied unless changes could be brought about in the inner life of the individual as well as in the state of society . Iqbal composed the poems which comprise the Payam- i Masriq in order to attempt to put forwad moral , religious and national truths related to the inner education and development of individuals and nations.

7. Bang-I DARA

The Carvan bell

Although Iqbal's reputation and popularity as a great Urdu poet had spread throughtout India, all the three collections he had published so far had been in

persain . At last in response to persistent request from his friends, and from admirers of his Urdu poetry, Iqbal published the Bang-Dara in 1924. It includes most of his Urdu compositions until 1923. The introduction was written by Shaykh' Abd al -Qadir , an old friend of Iqbal and a former editor of the literary magazine Makhzan, in which many of his earlier poems had been printed.The collection was accorded a warm welcome and remains to this day the poets best -selling work.

8. ZABUR-I AJAM

Persian Poems

In 1927 Iqbal published this further large collection of persain poems The author's declared object was to instill new spirit into the world , and especially amongst the young and the peoples of the east, hence the reference in the title to the divinely inspired songs . In the prayer with which the book begins, Iqbal asks of God , Illumine my dust with the light of David's song. Written during a period of intense literary and polictical acitivity , the ZABUR-I AJAM displays the versatality , inventiveness and stylistic maturity of the poet , who is said to have considered them to represent the best of his persian poetry . in an Urdu couplet Iqbal says:

If you have taste then in your free time read Zabur-i Ajam,
In midnight Lamentation there is no lack of secrets.

9. The Reconstruction of Religious Thought in Islam.

In December 1928 and January 1929, at the invitaiton of the Madras Muslim Association Iqbal delivered a series of lectures on Islam at madras, Hyderabad (Deecan) and Aligarh . These were published at Lahore in 1930 as Six Lectures on the Reconstruction of Religious Thought in Islam. Subsequent editions appeared (Oxford 1934, etc) under the above abbreviated title and included as seventh lecture, is religion possible ? In these talks Iqbal set himself the task of renewing the intellectual foundations of Islamic philosophy in a manner suited to the intellectual and spiritual climate of the modern age, and of meeting the challenge of western, largely materialistic, thought on its own ground so far as this was possible in discussing a philosophical system based on divinely revealed principles.

10. JAVIDNAMA

The book of Eternity

Widely regarded as Iqbal's magnum opus, the Javidnama is a long religious philosophical masnawi poem containing almost 2000 couplets in all. It was first published in 1932, many years after its predessors, the Asrar and Rumuz. In the javidnama Iqbal's poetical powers are displayed at their height and his intellect at its full maturity . This poem touches on new subjects as well as questions discussed in his earlier works. Besides referring to the eternal realms, the title of Javidnama also indicates that the author named the poem for his younger son Javid,an Address to Javid intended also an advice to Muslim youth in general ,which forms a postscript to the poem.

The poem describes a spritual journey from this world to the heavenly spheres of the moon, Mercury , Venus , Mars, Jupiter and saturn beyond the bounds of created existance to the Divine Presence. The principal inspiration for him must have been the Mi'raj- the celestial journey of the prophet Muhammad as described in the Qura'n and the Hadith (Islamic Traditions) .The Sufi master Ibn al -Arabi (1165 -1240) also composed an account of his own mi'raj in his work al Futuhat al -Makkiyya (Meccan Revelations).

Modern scholar has indicated that these sources provided much of the conceptual foundation for the Divine Comedy of Dante Alighieri (1265-1321)

11.Musafir

The Traveller

In October 1933 Iqbal bisited Afghanistan as a guest of king Nadir Shah. The poet had been invited along with Sayyid Sulayman Nadwi and Sir ross Masood (Ras Mas'ud) to visit Kabul and to advise the Afghan Government on a programme of educational reforms for his country . Having completed this assignment Iqbal travelled in Afghanistan . visting places of historical interest such as Ghazni and Qandhar. On his return to Lahore he published his impressions in a short masnawi poem entitled Musafir , which appeared in 1934, and is usually printed in a single volume with the poem Pas chi bayad kard?

12. BAL -I JIBRAIL

GABRIEL'S WING

In his preface to Bang-i dara shaykh 'abd al qadir had expressed the hope that

Iqbal would follow it up with another book of Urdu verse before long . In the event more than ten years passed before the poet published his second Urdu collection, Bal-i Jibril , which appeared in 1935. Originally he named the book Nishan-i manzil (A. Pointer to the Destination) but he then renamed it, exercising the former title from his manuscirpt. The ten years , delay was not with out its compensations, for Bal-i Jibril contains the finest examples of Iqbal's Urdu verse .

The Bal-i Jibril includes Iqbal's Urdu compositions written since the publication of Bang-i dara. Some of these were written during his three foreign trips in 1931-33, when the poet visited Britain, Egypt , Italy Palestine, France ,Spain, and Afghanistan.The collection is testimony to the richness of Iqbal's thought and expression, in which he employs the style and form of ghazal in a most inspiring manner, to guide the Muslims to a life of faith and action.

13. Pas chi bayad kard ay aqwam -i Sharq?

What then is to be done, O peoples of the east?

This , the last of Iqbal' Persian Masnawi poems, was published in 1936, two years before his death . His health had declined abruptly in early 1934, and for the remaining years of his life Iqbal suffered almost continually from serious illness. This he bore with great fortitude, and there was no weakening in heart or pen . Pas chi bayad kard ? contains the most detailed exposition by Iqbal of his practical philosophy in regard to socio-political questions and the problems of the eastern world arising from the ascendancy of western civilization.

14. Zrab-i-Kalim

The blow of Moses 'staff

This, the third collection of Urdu poems by Iqbal , was first published in May 1936.

As is evident from its sub title: Plan-i jang dawr-i hazir ke khilaf (,A Declaration of war against the present times. (the collection is concerned with the modern age and its problems . Modern civilization in its extreme form is godless and materialistic, lacks love and justice, and feeds on the subjugation and exploitation of weaker people. Iqbal regards the Muslim, and the Indian Muslims in particular, as amongst its prime victims. Thus the Zarb-i Kalim is intended to rescue the Muslims from modern civilization, just as the blow struck by Moses with his staff

saved the children of Israel when they found themselves trapped between pharoah's army and the Red Sea. The collection has been described as Iqbal 's political manifesto.

Zarb-i.Kalim is a collection of ghazals and other poems of various lengths.

85. Armaghan-i-Hijaz

The Gift From Hijaz

This work' published in November 1938, a few months after the author's death, is a fairly small volume containing verses both in Persian and in Urdu. It is incomplete, although this is not readily apparent to the reader, for Iqbal left some gaps in the book which he intended to fill when he made the pilgrimage to Mecca. He had long wished to undertake the journey to the Hijaz (the Arabian Peninsula) to perform the religious obligation of the Haji or pilgrimage to Mecca, and to visit the tomb of the Prophet Muhammad at Madina, but was prevented from doing so by continuous illness during the last years of his life. Iqbal began composing the Armaghan as a gift to take to the Hijaz , intending to publish it on his return to India as a Gift from the Hijaz for his fellow-countrymen.

(extracts from Allama Sir Muhammad Iqbal' a Publication fo British Museum publications Ltd edited by Q. M.Haq and M. I Waley)

☆☆☆

Sar-e Jahan se Accha

Hindustan Hamara

This famous song) has a history behind it .

The youngmen's Association of Lahore celebrated its first anniversary in 1903 and the famous revolutionary and patriot genius of India, the late Har Dayal sponsored it. He acquired a paper on' The problem of India'from Swami Rama Thirtha-the poet monk of the Punjab, who was then touring the United States of America to be read there in the meeting and he asked Muhammad Iqbal to compose a poem in Urdu to be sung at the inauguration of the anniversary and Iqbal wrote his "Hindustan Hamara" for the occation, which in the opinion of Ramsay Macdonald , had by 1910 become the national anthem of the whole of India.

MAIN events of Iqbal's life (1877-1938)

1877

Sheik Mohammed Iqbal was born on November 9 at Sialkot in the Punjab (now in Pakistan). His ancestors were Kashmiri Brahmins who had reverted to Islam in the early fifteenth century. His grandfather Sheikh Rafiq has migrated from Kashmir and settled in Sialkot in around 1857. His father Sheikh Nur Mohammed was a pious Muslim who earned his living through tailoring and embroidery work. Iqbal had three sisters, and one brother, Atta Mohammed.

1882

He had his early education in the madarsa of Maulvi Mir Hasan who taught him Urdu, Persian and Arabic, and awakened his religious and poetic instincts.

1883

He joined Scotch Mission School, an English Medium Institute, from where he passed his matriculation getting first class marks. The school was later named as Murrey College.

1893

Iqbal was married to Karim Bibi, the daughter of the local civil surgeon. He received poetic instruction, through correspondence, from the famous Urdu poet, Dagh Dehlvi.

1894

His first poem was published in a monthly magazine : ZABAN in Delhi.

1895

He passed the intermediate examination from Sialkot, and went to Government College, Lahore for his B.A. degree. His main subjects were Arabic, English and Philosophy.

1896

His wife Karim Bibi gave birth to a daughter named Meraj Begum. He and started writing poetry at an early age and recited his first poem, Falah-e-Qaum, at a Mushaira in Lahore, which was highly appreciated.

1987

He obtained his B.A. degree topping his class in Arabic. Joined M.A. in

philosophy in the same college. There grew a strong attachment between him and his professor, Thomas Arnold, a scholar of Western and Islamic philosophy who sharpened his student's interest in Philosophy.

His son Aftab Iqbal was born.

1899

Passed M.A. in philosophy from the Punjab University and won a gold medal. With the recommendation of Professor Arnold who became the Principal of Oriental College, Lahore, Iqbal was appointed Reader of Arabic in the college on a salary of Rs. 72 and 14 annas. Became a member of the Anjuman-e-Himayat-e-Islam, an association which held poetic symposiums and seminars on social, literary, and cultural subjects. He read his poem, Nalat-e-Yateem, at a mushaira, and earned great acclaim. His participation in mushairas gave him an all - India fame. While in Lahore he stayed first in the government college hostel, and then in a rented upper storey flat inside Bhati Gate.

1901

Worked for a short time as Assistant Professor of English at Government College, Lahore. He also taught English Literature at Islamia College, Lahore. His poem Himalaya was published in the inaugural issue of the Urdu journal, Makhzan.

1902

Appointed temporary Assistant Professor at Government College, Lahore at a salary of Rs. 200/- P.M.

1904

Wrote his poem, Nala-e-Firaq in honour of his patron ad professor, Dr. Thomas Arnold who had left Lahore for London. Wrote his patriotic poem, Tarana-e-Hindi which won national recognition and high praise form great Indian Leaders, including Mahatma Gandhi.

1905

Iqbal left for Europe for higher studies. Joined Trinity College, Cambridge for an Advanced Tripos course.

1907

Met Attya Faizee who belonged to the famous Tyabji family and was an ardent nationalist, intelligent and beautiful. He left for Germany to study his doctorate

Degree. Developed warm relationship with his German tutor, Emma Wegenast. Obtained his doctorate from Munich University for his thesis: The Development of Metaphysics in Persia.

1908

Qualified as Bat-at-Law from Lincoln's Inn, London. Returned to Lahore via Delhi where he received a warm ovation from his friends and admirers.

1909

He was elected General Secretary of the Kashmiri Muslim Association, Lahore.

1910

He married Sardar Begum, his second wife, but due to a misunderstanding the marriage didn't work smoothly in the initial stages. Retired from Government College, Lahore and devoted himself to legal practice and poetry writing.

1913

He took a third wife, Mukhtar Begum. Reconciled with his second wife, Sardar Begum. Published his first Persian work: Asrar-e-Khudi, which was later translated into English by Dr. Reynolds A. Nicolson, his former professor at Cambridge.

1914

His mother died, and he wrote his famous elegy Walida Marhooma ki Yaad Mein, in her memory.

1917

Published his second book in Pesian called : Ramuz-e-Bekhudi. He was appointed Dean of the Oriental Faculty, Punjab University.

1919

Was elected General Secretary of the Anjuman-e-Himayat-e-Islam. He was knighted by the British Government, but his acceptance of the title was criticized by Muslim writers and leaders.

1923

His third Persian work, Payaam-e-Mashriq was published.

1924

His first collection of Urdu Poems, Bang-e-Dara was published. The book contains some of his most popular poems and is , by and large, the main source of the present anthology.

His wife Sardar Begum gave birth to his son, Javed. Mukhtar Begum, his third

wife, passed away.

1926

Won the election to the Punjab Legislative Council.

1929

His teacher Maulvi Mir Hasan died.

He was made life member of the Students Union of Aligarh University.

1930

Sardar Begum gave birth to a daughter, Munira Begum. Presided over the annual session of the All India Muslim League where he propounded his controversial proposal for the establishment of a "Muslim India within India", -- a proposal that for some people contained the seeds of Pakistan.

1931

His father Sheikh Nur Mohammed died.

1932

Javed Nama, a book in Persian named after the poet's son was published. In this year he did a lot of travelling in Europe and visited London, Paris, Madrid and Venice.

1933

He went to Kabul at the invitation of king Nadir Shah and gave his views about educational reforms for the Afghans.

Punjab University honoured him with a D. Litt. Degree.

1934

Elected President of Anjuman-e-Himayat-e-Islam.

Developed a serious sore throat problem, which resulted in the loss of his voice.

1935

Published his second poetical work in Urdu: Bal-e-Jibreel.

His new house in Lahore, Javed Manzil, was completed and he started living there.

His wife Sardar Begum passed away.

His financial position deteriorated. The Nawab of Bhopal sanctioned a pension of Rs. 500 - per month for him which helped to ease his economic situation.

1936

Jinnah came to see him at Javed Manzil in Lahore. His third book of poem in Urdu, Zarb-e-Kalim was published. Dhaka University conferred a D. Litt. on him.

1938

Osmania University Hyderabad honored him with a D. Litt. Iqbal was thus a recipient of many honorary doctorates. On April 20, the day before his death, he recited his last

Verse:

The dayof the faqir have come to end,

Another wise man may or may not come.

Breathed his last on April 21 at five a.m. Buried by the side of Badshahi Masjid in Lahore. His last poetic work, Armughn-e-Hejaz, was published posthumously.

(The information detailed above is adapted, with grateful acknowledgements, from Rafiq Zakaria's book, Iqbal, the poet and the Politician, Penguin, 1994).

☆☆☆

"The Flame of Life cannot be borrowed from others: it must be kindled in the temple of one's own soul! Let then, the fire youth mingle with the fire of Faith, in order to enhance the glow of Life, and to create a new world of actions for our future generations!"

☆☆☆☆

Prof.Taqi Ali Mirza
Former professor of English
Osmania University

Prof. Syed Sirajuddin - A Tribute

The death of Prof. Syed Sirajuddin has deprived Hyderabad of an outstanding literary figure who dominated the literature and culture of the city for the last five decades. He was associated with many literary bodies and institutions, and I do not see anyone who can take his place in the near future. He was the last representative of the golden age of Osmania University.

Prof. Sirajuddin had a remarkable flair for languages. Apart form being a master of Urdu and English languages and literature, his mastery of Persian literature was also very impressive.He had widely read poets like Hafiz,Rumi,Saadi,OmarKhayyam,Nazeer and Khusrau.He knew by- heart thousands of couplets of these poets and quoted them with great ease in his writings and speches. Prof Sirajuddin also knew many European languages. He studied French and German in India, but studied Italian in Italy where he spent one year on a Govt. of India Scholarship. He read Dante's Divine Comedy with great ease in Italian. A year's study in Italy enabled him to acquire an intimate knowledge of Italian culture.

I always used to complain to Siraj about not using his gifts fully and not concentrating on any particular branch of literature or art. But it would be very unfair to his multi faceted personality to accuse him of dilettantism for this reason. He was, in fact, a "Renaissance man", equality at home in a variety of many branches of art and literature. He was himself an opponent of "specialization" because he believed that specialization Specialization did more harm than good to a person's innate talent. He was equally interested in the classical literature of the languages mentioned above and for this reason he became a master of comparative criticism. He was a perceptive critic in Urdu and a creative writer as well. He wrote poetry also, but never published his poetry, nor did he participate in 'Mushairas'. He was known throughout the country for his scholarship and people like Ale Ahmad Suroor, Nisar Ahmed Farooqi and shamsur Rahman Farooqi acknowledged his achievements. Prof. Sirajuddin himself was totally indifferent to fame and

publicity, and like most Hyderabades, suffered from a natural shyness for which Hyderabades are is known, and never liked to push himself up. When Prof Hashim Ali became Vice-Chancellor of Osmania University, he tried to persuade Siraj to accept the principal ship of one of the constituent colleges, but he always declined the offer. But Prof. Hashim Ali finally succeeded in making him agree to accept the offer by telling him "Please give up this Hyderabadi shyness", and he became the Principal of the post-graduate college, and for several years, he held this position, with great distinction. A number of literary organizations used to invite him either to preside over their meetings, or to release a new book, but he accepted the invitation very reluctantly. Prof. Sirajuddin brought to bear on anything that he said or wrote, an originality of approach, and he avoided saying anything which was stale, thus there was always a kind of freshness in whatever he said or wrote which was very appealing.

A branch of literary activity over which Prof. Sirajuddin hed acquired mastery was translation. In addition to translation from Urdu into English, or English into Urdu, he used to translate from other languages also. His translation of two of the most difficult poems by T. S. Eliot, "Love Song of Alfred Prufrock" and "The Waste Land" is remarkable for its naturalness. Those who have read these poems in the original were wonderstruck at Siraj's great skill in rendering them into Urdu free verse. His last effort in this area was his translation of Iqbal's Javidnama in Urdu free verse. He wanted that this translation should be published by a good publisher because he had bestowed so much care and effort on it. I requested him that this should be done by the Iqbal Academy of Hyderabad of which he had been the president for more than ten years, and he kindly agreed to my suggestion, and this translation will soon be published here. Siraj was always thinking of widening the activity of the Iqbal Academy and strengthening its finances. He also wanted that his library should be handed over to the Iqbal Academy. His library contains a large number of English books, but the holdings include a considerable number of Urdu and Persian books, many of which are rare and not easily available now. His collection will naturally increase the value of the Academy's library, but will also keep Prof. Sirajuddin's name alive.

☆☆☆

By K.S.GHULAM ALI (ADVOCATE)

IQBAL POET AND THINKER

With no pretensions to any literary merit, without pretending to provide any critical or exhaustive insight into a study of Allama Iqbal's philosophy, I venture to pen my views regarding the thoughts of one of the foremost poets of the world, in the secure belief that it may actuate philosophy and message.

Dr. Sir Muhammad Iqbal, one of the most illustrious personalities of the East , breathed his last on April , 21st 1938, Allama Iqbal who occupied an eminent place among the thinkers of the contemporary world, was easily the most distinguished and the greatest poet of his time. The muslim Nation was passing through a most critical stage in the 19th century losing hold over circumstances, there was a veritable "Qethur Rijal" Indifference towards religion and the high attributes as enjoined and endowed by Allah on his Vicege rent on earth , the social choas, the frenzied struggle for domination, these foes of humanity and enemies of its culture and civilization, had ful sway , Disorder was rampant and in short all inhuman tenencies were the order of the day .

In a back ground such as this , Iqbal's life, therefore is inspiring, and the study of his philosophy and message in his inimitable style both in prose and poetry motive force for the resurrection of our society .

As thinker and poet Iqbal stands on Himalyan heights. Very few poets in the east, in recent times, have had such large votaries and audience as the Allama had. Difficult though it is to postulate how far Iqbal's emphasis on the universal brotherhood of Muslims has inspired the Arab Movement of today for unity , but there can be no doubt that his message has pernetrated the entire Arabic countreis and reverberated in yeman, Morroco, Indonesia, Malyasia and Africa. One finds new life pulsating in the world of Islam. The

beauty of the thing is that if Iqbal had a message for Muslim As Muslims, he was by no means parochial or partisan, He also had a message for humanity and in giving it wings , has produced a synthesis of eastern and western thought which is matchless.

Iqbal saw the chaos , the all pervading bane of this much troubled world of ours , Although his thoughs were tinged with melancholy when surveying the complacency of false gods, Iqbal cried halt, His was a call for revaluation and reinterpretation of the ideals of life in the light of Islamic princeples and the teachings of the Holy Quran.By his invincible Magic of Poetry, Iqbal succeeded a great deal , where others had failed in creating community of interst in the Muslims in gerneral and MUsalmans of the sub-continent in particular.

Iqbal has only maintained inviolate the very spirit of th teachings of the Holy Quran and Sunnah, but without doubt he has widened the horizon of Islamic thought and brought to light the resiliency and adaptabilty in it to the pressure of the vast and militant changes throug which the world is passing the world is faced most trying problems and has to face the challenge of atheism menifesting itself in defferent and more percepible forms of modern science , nationalism , democracy , the mere counting of heads and socialism and multitude of "isms" Iqbal's ruthless criticism of modern institutions supplemented by an ideal of a perfect man portrayed by him after the model of a true Muslaman the "Rijal" of the Quran , gives his philosophy a unique position in the regeneration of Muslim Society and Islamic Nation as a dynamic force in the reshaping of this too frequently bombed and battered world : The irresistible appeal, coming as it does from the innermost core of his heart, for directness in the interpretation of the teachings of Islam, is already producing changes in Muslim outlook which Allah willing, promises to rationalise life in Islamic countries.

Iqbal's detachement from the common stream of life was a puzzle to many of those around him, but still he was no reclues and by no means an armchair critic of life. he tells the brahmans and this throws a flood of light on what

may be called the three phase mind of the poet that the trouble with him is that the gods in his pantheon have grown old . He was addressing the Brahman as Brahman, and declaring his faith in the power of man to mould his destiny. Because for Iqbal, even if the world was chaotic, chaos was not the form of life, uncontrollable and inexorable.

There is a profusion of allusions in Iqbal's poems ,of the vast storehouse of knowledge from which he drew his material to mould his thought .It is noticable that the Holy Qruan is for Iqbal the touchstone of principles governing life and one is often taken by surprise by the manner in which the torch bearer the shaere Mashriq uses verses in the Sacred Book to illustrate some abtruse philosophical issues .The Allama drank deep from the fountain of knowledge as taught , inculcated and left for generations to come thanks to those whom the Holy Quran refers as Rase khoona fil -ilm"

To Iqbal life is a grand assimilative movement and conquers all its difficulties by comprehending them and the basis of all life o him is " the continual creation of desires and ideals but as matter is the greatest obstruction in the way of life , its conquest is necessary for the growth of life. Allama believes that love (ishq) strengthens Ego. The life giving effect of love is that it individualises the lover and the beloved (preservation of individuality is the very essence of the Holy Prophet's teachings.)

In contradistinction to the effect of love , asking (suwal) weakens the Ego , and asking in its ultimate sense stands for inaction.

The ego has to pass through 3 stages .

a) Obedience to law.

b) Self control , which is the highest form of self consciousness.

c) Divine vicegerency (Niyabate-Illahi)

Now obedience to the law is a training for higher ends which gives the conception of Governance. Before man aspires to rule others, must have faith and unity of purpose and action, he must learn discipline . Because order is the light of Divine Law, which is prerequisite to order on earth.

The world law 'refers to shariat of the Holy Prophet. The value of self

control would be easily appreciated today when man is acquiring an increasing hold over nature, while at the same time he is losing self control.

Divine Vicegerency is the representaiton of Allah on earth as revealed in the Holy Quran and aims at the establishment of the kingdom of Unique individuals the Rase Khoona fil ilm and the Ahluzzikr . in passing Nietzsches 'conception may be compared he being an atheist believed in the code of superman , while defending the Divinely ordained Democracy of Islam, Iqbal wrote in the New Era (1916p251)

The democrary of Europe -over shadowed by socialistic agitation and anarchical fear originates in the material regeneration of European Socicalism , Nietzsche however, abhors this rule of the herd, he bases all higher culture on the civilaziation and growth of an Aristocracy of Supermen The democracy of Islam on the other hand did not grow out of the extension of economic opportunity , it is a spritual principle based on the assumption that very human being is the centre of latent power, the possibilities of which can be developed by cultivating character , ikhalqe hasana .

After 1857 the indian Muslims continued to drift in the sea of decadence and ultimate annihilation , Herculean efforts were made to stem the rising tide of desturction but with little or no success .The duty to cry halt, to call for revaluation and reinterpretation of the ideals of life in the light of Islamic principles fell on the Hakim-e- Ummat, who , by his invincible Magic of poetry , succeeded a great deal when others had failed in creating the much needed community of interest and cohesion among the Musalmans of the Subcontinent.

We are faced with staggering probems all around us. It will be realised that the inhuman forces of destruction which are rampant and let loose, must perforce lead to the conclusion that the modern all to Materialistic world will crumble to pieces sooner or later la tabdela le sunnat-allah Iqbal's ruthless criticism of modern institutions supplemented by the ideal of perfect man portrayed by him after the model of a true Muslim indicated in the Holy Quran gives his philosophy a unique in the regerneration of our Muslim

society and nation.

In order to appreciate the philosophy of Allama Iqbal one has to take a peep at the background of Urdu poetry with which he was confronted. Urdu Poetry had its birth at a time when the foundation of th Mughal Empire was shaking .Such prominent poets as Mir Taqi ,Zoq and Souda right up to Ghalib, the Robert Browning of Urdu poetry . were all full off depressed tones. They are not only depressed themselves but wailed of seeing no chances of rise of the Mussalman from the long stupor .Iqbal's poetry was, therefore, a veritable revolt aginst such defeatism mentality He would go with Ghalib and say

ہرچند سبکدست ہوئے بت شکنی سے
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

and again against Ghalib's defeatism

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

Iqbal counselled

دم زندگی ، رم زندگی غم زندگی ، سم زندگی
غم رم نہ کر، سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری

In a word, therefore life a according to Iqbal is a constant strife, an untrammelled movement forword, expressed in a variety of forms in its fight against matter

He would fire one's imagination by chanting

مری نظر میں یہی ہے جمال وزیبائی
کہ سربسجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک

He urges that although life is beset with untold privations, dangers and difficulties, it is the duty of a Mussalman to un dauntedly face them

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر وغنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

To Iqbal life is a purposive and creative force, it is puposive in the sense that it has a certian goal to arrive at. In Jawaid Nama, Iqbal has referred to the comprehensive and universal aspect of theQuranic Message which the life force contrived through its vehicles to be expounded and interpreted according to the level of culture attained and in veiw of the needs of the future. Several new worlds are hidden in its verses and ever fresh orders remain latent in its fold. Out of these only one order is sufficient for the present age, Have it, if you have a knowing heart, when one order grows old, the Quran supplies a new one for the people.

The study of the Holy Quran , the traditions of the Holy prophet Salawatullahe Aleh wa Aalehe wasallm all these form the solid background of thought for Iqbal.

It was only after he had undergone this preliminary training that he began the study of Western philosophy and of which he had a critical study according to the particular point of view which Islam had engendered in him. He clearly saw that the spritual and material decay of the Musalmans had been due, not to any basic defect in the Islamic teaching itself , but to extraneous influenes.

In order to meet this, Iqbal adopted the best course, he took up a critical study of western philosophy. The conviction which he gained through historical study grew deeper when he came across such thinkers as Netzsche and Bergson, each of whome represented in his system something with which Iqbal was perfectly conversant with intensive study of Islamic teachings.

He pssessed all the qualities. of a ture reformer and in order to sae the Muslmans from the clutches of decadence , the remedy which he suggested was a return to the Holy Quran and the Hayate-tyyaba' of the Holy Prophet Salwatullahe Aleh wa Aaleh wa-sallam.

With moral transformation through mystic or intuitive illumination and

assimilation of all that is valubale and life giving in the new forces strictly in accordance with the Spirit of Islam, Iqbal emphasises the development of self rather than self affacement.

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

Unlike modren science Iqbal does not stop at man as the highest emergent He suggests that there are untold possibilities for further development. Through a life of constant struggle

لیس للانسان الا ماسعی it is possible for man not only to dicover but create new world , for himself.

In Asrar-e-Khudi, he describes man as the creator of new values , as the upholder of Universal brotherhood and love among mankind, who will restore peace to the world has won wars but lost peace. iqbal's marde Momin is the completest sage, the goal of humanity , and unlide nietzshe's suprerman he is not beyond law . To Iqbal he is the executor of the Command of Allah in this world . Says he:

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

☆☆☆☆☆

JAGAN NATH AZAD

Iqbal : His Art and thought

Iqbal's Poetry is as remarkable for its thougt content as for its artistic value. His deep thoughts are culmination of his most exquisite emotions. What is actually new and thus more important in Iqbal's verse as compared with the Urdu and Indian Persian poetry of the past, is that it has not only been a reflection of his times , but also of a new attitude of the poet towards his surroundings in Iqbal's compositions, for the first time in the history of the Urdu poetry , as also Persian poetry in the subcontinent the gap between the art and the people has disappeared to a great extent. While in the poetrry of pre-Iqbal period realism frequently came into contradiction whith the poet's world outlook, Iqbal acquired a world outlook which had enabled him freely and unfetteredly to reflect the turth of life.

According to some of Iqbal's critics Iqbal is a great poet but not a sighnificant philosopher. Here I would like to emphasize that it is not correct to stydy Iqbal's thoughts as something defferent from his emotions. Iqbal the poet and Iqbal the thinker are not two different personalities and we can appreciate his poetry only in the light of his thoughts. According to Coleridge it is great thought content that lends greatness to art, and this aptly applies to Iqbal.

In the galaxy of Urdu poets Iqbal occupies a unique position not because of the formal or technical superiority of his poetry but because of its overpowering thought content and the cosmic sweep of its canvass. Without abandoning the artistic quality and beauty of diction of Urdu poetry ,Iqbal endeavoured to relate it to the inner contradictions and external conflicts with which human mind and spirit were struggling in his period. He used poetry as an effective medium to express man's unending resolve for self-assertion and his courage to explore secrets of the universe and to conquer new horizons, it is the compelling vigour , and the burning emotional drive which singles him out as the tallest poet among contemporaries.

Art For life

Iqbal upheld the view that all fine arts and his own poetry stood up to this test should be imbued with a spirit that includes the cognition of life , and an active influence upon life, a feature that places the artist in the forefront of the people , in the vanguard of the eternal struggle for progress and freedom. And this principle has opened up to Urdu writers and poets vistas the were beyond their comprehension till the turn over of the last century , Describing his attuitude towards art Iqbal writes in Zarb -i-Kaleem

This innovatory quality of Iqbal's verse in the development of art has shown itself first and foremost in the fact that it has developed and brought to the fore positive in the people a latent beauty , a strength and a heroism that excells anything known to the art of Urdu poet of the past. For Iqbal art is not only a part of mainstream of life but also an active agent of change .

The limtied vocabulary of Urdu liric ,panegyric and elegies was too inadequate for this purpose but the master craftsman in Iqbal imparted new flexibility to the traditional symbols and fresh adaptabilty to the idiom , borrowing freely form the rich heritage of both sanskrit and persian on the one hand and European literatures on the other. In the process Urdu a universality of outlook ,seldom noticed in poets of smaller calibre.

DAWN OF A NEW ERA

The poet fells that a new era is about to unfold itself and a new type of man is in the making his verses on the subject of greatness of man are a promise, a prophecy , a demand presented to the immediate future. In one of his charming ghazals in Zabur-i- Ajam "and later reproduced under the title of "Song of the Angels" in "Javed Nama " this demand grows even more insistant and incisive:

This prediction even in its purely literary sense very soon came true , though the poet himself was not there to see it. Baby moons and satellites were launched in the space in quick succession followed by man 's landing on moon.

An unparalleled ability to react swiftly to the spirit of the modern age displayed

by Iqbal 's poetry is smething exceeddingly remarkable .

The stirring march of time in Europe , Asia and Africa provided Iqbal with fresh sources of inspiration and induced him indirectly to reflect in his works the profound changes that took place in the world. He did not only register the brisk tempo of life but also translated it into the language of art. He also reacted to events still in the making through the medium of poetry of an exceedingly high order. The very fact that Iqbal is able to show the pulse of time , its enthusiasm and its problems , is a patent proof of the existence of his close and organic ties with his surroundings.

Iqbal's poetry has a universal appeal mainly because there is political wisdom and a calm optimtism in all his poems. His strength , like Goethe's , lies in the fact that he is not only a teacher or thinker but also , chiefly , a prophet of humanity One fact which we must bear in mind is that in Iqbal the two powerful impulses to artistic expression are his faith in the human capacity for limitless development and man's unique position in the universe. Both these impulses tend to make , the appeal of his poetry universal.

A brief survey of topics, dealt by Iqbal is sufficient to show the immensity of the living material tackled by him. it gives an idea of the complex and unprecedented literary problems facing Iqbal . His poems entitled At Napoleon's Tomb.

Mussolini, League of Nations' Tolstory Karl Marx. Nietzsche , Lenin and kaiser william , Socialism , Voice of karl Marx .Europe and Jews . Bolshavk Russia . East .

Abyseenia and Syria and Palestine are an expression of the keen searchings that Iqbal had embarked on and which were dictated by the desire to find new art forms worthy of the new content. These poems not only expanded the thematic borders of poetry but also increased the range of its means of expression.

And then notice the vast range of his poetry . his subjects include in addition to those mentioned above. a cat in a girl's arms , Himalays , morning, graveyard .

Shakespear, Ghalib, a mother 's dream , sun, candle , withered , flower, love nd death , cloud, historical buildings in cordova and so on. having sung of every conceivable subject on this planet, he , in javid namah, soars to other planets This vast range needs. versatility in poetic art, and Iqbal's is immense.

It is highly characteristic that problems of life , ethics and norms of behaviour , which in classical Urdu literature and much less in poetry , had not been treated , stemmed in Iqbal's poetry directly from its close association with surroundings.

Iqbal shows his readers the new values born of the post . world War I era . He decribes not only the birth of the new world but the resistance of the old . he tells us the story not only of individual fates but tries to put his finger on the pulse of history and shows the links between the fate of the indivdual and that of the people.

Brighter shall shine men's clay
Than angels light, one day
Earth through our destiny
Turns to a starry sky .
The fancies in our head
that upon storms were fed.
One day shall soar, and clear
The whirlpool of the sphere.

Why askest thou of me?
Consider man, and see
How mind , developed still ,
sublime this subject will.

Come fashioned forth , sublime ,
this common thought, in time
and with its beauty , s rapture
Even God's heart shall capture.

(Translation by Prof. A. J. Arberry)

At the very root of Iqbal's realism lies an aspiration to depict life in motion, and in its continuous development to show the march of life against the back ground of broad historical perspective. This has provided favourable conditions for a realistic recreation of the past, all the more so since in this field Iqbal has based work on the assumption that the process of historcial development should be understood not as movement in a circle but as an onward and upward movement . it is this approach to history that enables Iqbal nowt to varnish or modrnise the pat, but to recreate it poetically for him the poetry of the past lies not in a picturesque depiction of its details but in the forward move . ment that has determined the historical fate of mankind . Thus for instance his Masjid . Qurtaba (The cordova Mosque) Was inspired by stormy days of great historical changes that highlighted this important period in the history of Europe.

taken in their sum the varied and various works of Iqbal present a poetical picture of people which can be seen no where else in Urdu or Indian Persian literature.

By its example Iqbal's poetry has reminded the writers of the sub continent and particularly Urdu writers that great art is unthinkable without a faithfull portrayal of life. At the same time. it has shown in practice that genuine realism in art is inimical towards a petty and idealess copysit naturalism.

With Urdu poets of pre Iqbal times. the artistic embodiment of the ideal in art often acquired a shade of abstractness of the declarative , often bordering on the fantastic The blending of the romantic and the realistic , the roots of which go back to the classics has reached fruition in Iqbal's Poetry. Armed with a progressive world outlook, Iqbal , whose poetry has been a worthy reflection of great historical changes has shown the younger generation of Urdu poets how to weld into a single whole the beauty of ideals of art and the truth of actual life.

☆☆☆☆☆

ANNEMARIE SCHIMMEL

IBLIS IN IQBAL'S POETRY

One of the most fascinating figures in Iqbal's work is Satan, Iblis, who boasts in a famous poem in Bal-i-Jibril that he is a thorn pricking God's heart . Satan has always played a prominent role in the Islamic tradition. As the koran attests he refused to bow down before Adam and there fore was cursed by God. On the other hand we find mystical speculations, probably originating with Hallaj . in which Iblis becomes the great lover who does not want to share his eternal love of God and his complete surrender to His will with anyone else. Echoes of this attitude can be found in the poetry of Sanai and in the sayings of Ahmad Ghazzali (d. 1126), and have reached the Subcontinent where mystical poets like Sarmad (executed 1661) and even Shah Abdul Latif Bhitai (d 1752) speak of ashiq Azazil , Satan the lover A thorough study of these developments is at present being made by one of my Ph. d. Candidates at Harvard in order to elucidate the background of Iqbal's Satenology.

In Iqbal's work the various strands of the Christian and Islamic attitudes toward Satan are woven together into a highly interesting fabirc. A Bausani , who has devoted a fine Italian article to this problem discerns five different aspects of Iqbal's Satan, the prometheian side, Which Iqbal may have taken over from Milton, the Judeao-islamic aspect according to which Satan is and remains a creature and instrument of God, the gnostic christian ideas, originating in Iran , that Satan is an independent power in the world : the idea common in some mystical trends in East and west that Satan is the manifestation of God's Jalal side, and eventually the aspect of Satan as the pragmatic politican . Iqbal's interest in Satan is visible already in his thesis, but the most important source is the Javidnama. There he shows Iblis as pure monothesist who spoke his yes to God's Unity in the veil of a No. These ideas go clearly back to Hallaj and his Persian commentantor Ruzbihan

I-baqil (d. 1209), whose work was well known in the subcontinent . Iblis appears here as the lover who does not want union, but rather prefers the burning of separtion because only by longing the creature remains active . Iblis is the poor creature that was caught between God's order and His will. How should he know that God can order something which He, basically , does not will , or vice versa ? But in such an approach , one danger of this Satanic position becomes also clear . Iblis is short sighted and ascribes his own misfortune to the working of predestination , taqdir , thus , he can be regarded as the forerunner of those who ascribe their own evil actions to the pre-eternal destiny and try to get rid of their spiritaul responsibility . In the same line Iblis may appear as the model of envy he, after serving God for thousands of years as the most perfect ascetic, nay as the preceptor of the angels , envied Adam who was given a higher rank by being invested as God's Khalifa , His vicegerent . And since he regarded himself as better than Adam maintaining that his element fire was surperior to Adam's element, clay , he is also the representative of one -eyed qias, analogy , unable to see the divine spark in the form of clay and water.

Iqbal's Iblis appears sad when he emerges form his dark clouds (Javidnama, Juptier sphere)This agian , is a trend well known to the Islamic mystical tradition , but it has also been mentioned by Nietzeche, who sees in Satan the spirit of heaviness through whome everything is bound to fall, in the Javidnama , Iblis complains that man too willingly lends his ear to his insinuations, It would rather be man's duty to struggle against him and to tray to overcome him .Thus ,Satan becomes an active and activating power , and is required for the development of the world in general and of man in particular. It is he who leads Adma out of the seet gardens of pre-logic, of the primordial Paradise, into life . That is lucidly expressed in Iqbal 's great poem Taskhir-i-Fitrat in the Payam-i- Mashirq , about this picture of Satan one may well says has been said about Milton's Lucifer, that he is a trespasser, hence a sinner, yet represents our aspirations toward higher levels of existence .As goethe has put it , Satan is the manifestition of error, but of an error which is necessary forman 's spiritual maturing , From this angle , the image of Satan can develop into two defferent dircetions, either he becomes the power of

radical evil , or the respresentative of that intelligence which helps man to overcome the powers of chaos, ant thus assists him in his hightest goal , that of individuation . Iblis's role as the representative of intelligence is again twofold , it may be the power that clears up the chaos of man's lower instincts step by step , thus leading him upward , or the power of loveless intellect which defends itself with its head and is therefore representid by the serpent.

But if Satan is , on the one hand, the dangerous yet necessary inteliligence,he is , on the other hand aslo a representative of the chaos , of the unbridled instincts which to overcome man is called It is this aspect of Iblis which was most familiar to the Muslim mystics who relied upon the Prophet's word aslama shaitani . My satan has surrendered to me , or has becom a Muslim . That means that he had tamed his lower instincts in such a way that they became useful instuments in the struggle of life. Satan , touched by the power of the perfect Man and, even more, by the power of Love which is manifested through the perfect Faithful , can become a helper for man (as already Maulana Rumi had said in the Mathnawi) That is why Iblis in the Javidnama and in tashkir-i fitrat asks man to overcom him as in the works of Nietzsche and valery , he wants to be a victim of the perfect Man before whom he will eventually perform the prostration which he refused to perform in front of the immature young Adam. As the power that tries to seduce man iblis becomes, for Iqbal , the advocate of Lovely mystical dreams and opium-like poetry the scene in the Javidnama where he tries to hinder Zoroaster from going out and preaching is indicative of this aspect of his role. He is the advocate of Weltflucht, of seclusion, and thus the mouthpiece for Iqbal's criticisms of decadent Sufism and decadent Sufi Literature Again , he appears in the Sphere of Venus as the happy leader of the old deities who have been dug out of their tombs by the European archeologists, and who represent the worship of Ball in all its aspects, thus threatinging the Muslims in their firm belief in one God.

The fact that Iqbal sees the European archeologists responsible for the revival of satanic powers in the Middle East leads to the final aspect of his satanology , it is the policical satan . He manifests himself in the various types of Eurpocan,s be they men or women , and is perhaps depicted best in the figure of the would be prophets

in the Sphere of Mars in the Javid nama ,who embodies the loveless attitude of European women, and in Miss Ifragin, who talks to Judas Ischarioth and is blamed by him for selling the spirit of Christ in ever moment . iqbal had called the politicians of our age 'Satan s prophets' While he was still a student at cambridge , and these ideas are taken up once more in his last poetical works , where we find the parliament of Iblis and many other poems against those Stanic powers which try to seduce the Muslim people by various means in order to establish their own rule instead of the rule of the one God.

One cannot see Iblis in Iqbal's poetry simply as Intellect , as materialist, as determinst. or as Adam's adversary , His figure is woven together from many strands taken from the books of Islamic mystics andEuropean thinkers and Poets (Jakob Boehme, Goethe Miloton Nietzache) andeverutally Satan became the fitting symbol of Iqbal's criticism of the loveless Western world . But one Should rember that Iqbal , faithful to the Islamic and Judeao-Christian tradition , sees Iblis never as absolute evil , or as God's enemy , he is rather the enemy of man, the power with whom man has to struggle in order to grow . It does not make any differnce whether we understand this power as the dark feminine element of chaos which has to be tamed in order to serve man , or as the lucid masculine element of luciferian intellect which is necessary for man's individuation although it can grow into a hypertrophy of intellect once it is seprated from love and becomes an independent force. We may also understand the Satan as the seducer into useless dreaming, mystical in introspection ,unsocial attitude, or as the protector of a civilisation that is devoid of Divine Love. in each of these aspects Iblis is a necessary companion of man who is called to overcome him and thus to develop into the perfect Man, whose model is the prophet of Islam .

☆☆☆

TIMES HOSPITAL

8-2-413/B, Road No.4 Banjara Hills, Hyderabad - 500 034,India
Tel : +91 40 65585870, 23351144,

کوئی بھی نسوانی مرض لاعلاج نہیں

اگر آپ اولاد کی نعمت سے محروم ہیں اور علاج کرواکے بیزار ہو چکے ہیں مایوس مت ہوئیے! بانجھ پن دور کرنے کا یقینی اور بے ضرر کامیاب علاج ہے۔ IVF/ICSI کی ضرورت نہیں۔ حمل، زچگی سے متعلق مسائل اور دیگر امراض نسواں کا کامیاب علاج ڈاکٹر سید شمس بابر اور معاون لیڈی ڈاکٹرس کی ٹیم ماہرانہ خدمات کی پیشکش کرتی ہے

کوئی سیزرین آپریشن نہیں

ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی اور یونانی علاج تمام ایک ہی جگہ پر دستیاب ہیں

Times Hospital Banjara Hills

امراض دماغ
ٹینشن، ڈر، خوف، کسی کی موت پر سکتہ، کاروبار کے نقصان پر صدمہ، اعصابی تناؤ، چڑچڑاپن، کشیدہ ازدواجی تعلقات کے اثرات، کمزور یادداشت۔

پیٹ کے امراض
السر، یرقان، گیاس، دائمی قبض، خونی و بادی بواسیر، فیشر، جگر کا ورم، ہیپاٹائٹس B.C

هڈیوں کے امراض
گردن، کمر، گھٹنے، عرق النساء، ریڑھ کی ہڈی کا ٹی بی، ہڈیوں کا ٹی بی، جوڑوں کا درد

آدھے سر کا درد
ناک، کان، حلق، ٹانسلس، سائنوسائٹس، بہرہ پن، کان بہنا، کانوں میں آوازیں، گردوں کا بند ہو جانا

آروگیہ شری اسکیم کے تحت وائٹ راشن کارڈ ہولڈرس کو مندرجہ ذیل امراض کے مفت علاج کی سہولت

• ڈائلاسس • ہرنیا • تھائیرائڈ گلینڈ • روڈ ٹریفک ایکسیڈنٹس • اپنڈکس • ہیڈ انجری
• پلاسٹک سرجری • نیورو سرجری • آرتھوپیڈکس • 40% جھلسے ہوئے مریضوں کا علاج

ذیابطیس اور اس کے مضر اثرات جیسے بینائی کا متاثر ہونا، گردوں کا خراب ہو جانا وغیرہ کا کامیاب علاج

چارمینار برانچ پر چیک اپ کی سہولت

ڈاکٹر صادقہ بابر
9912206511

Dr. SHAMS BABAR Multi-speciality Clinic
Charminar Branch
Opp. Charminar Bus Stand, Hyd. ☎ : 040- 24500133, 65585870
Cell : 98480 37070, 9618078179
اوقات : صبح 10 بجے تا 2 بجے دن

Designed by Media Plus, 9395381226, 9989190883

IQBAL ACADEMY

JASHN-e-IQBAL

CENTENARY CELEBRATIONS
OF IQBAL'S FIRST VISIT
TO HYDERABAD

2010-11

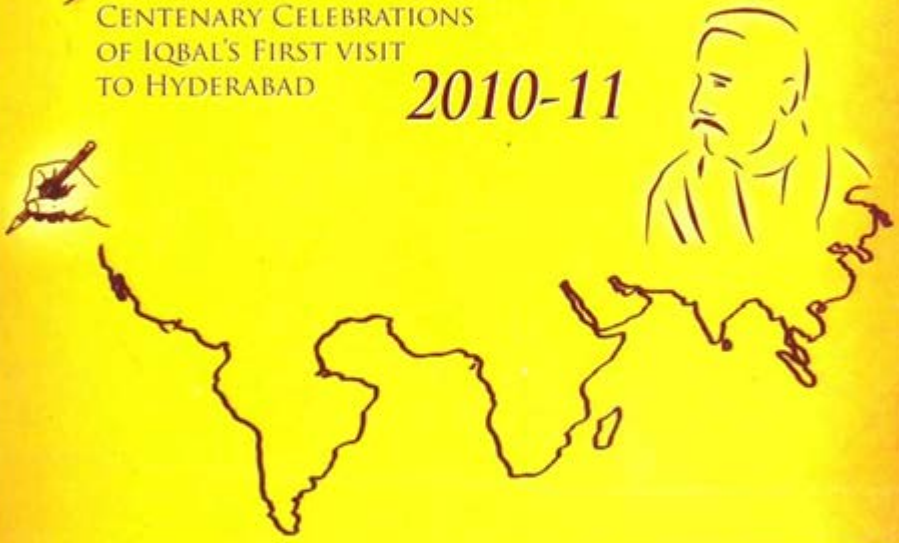

SOUVENIR

IQBAL REVIEW

NOVEMBER 2010
Vol: 20, Issue : 2

BN No: 81-86370-31-6